اللہ کے کرم سے فیضِ شہِ امم سے | Nepal Urdu Times | ہیں خوب تیرے چرچے نیپال اردو ٹائمز | nepalurdutimes | تیرے لیے دعا یہ رمضان کر رہا ہے | nepalurdutimes | Nepal Urdu Times | تا حشر یوں ہی چمکے نیپال اردو ٹائمز | www.nepalurdutimes.com

بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

نیپال اردو ٹائمز

ہفت روزہ

Weekly The NEPAL URDU TIMES

eSewa

جلد نمبر ۱ VOL:(1)

چیف ایڈیٹر: عبد الجبار علیمی نظامی

weeklynepalurdutimes@gamil.com

12 صفحات

14 / مئی 2026 مطابق 26 / ذی القعدہ 1447ھ / 31 گتے بیساکھ 2083

شمارہ نمبر ۸۹ ISSUE (89)

ملک بحران میں نہیں، ہم اسے درست راستے پر واپس لا رہے ہیں: روی لامیچھانے

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

نیشنل انڈیپنڈنٹ پارٹی (این آئی ایس پی) کے صدر روی لامچھانے نے لوگوں پر زور دیا ہے کہ وہ یہ نہ سوچیں کہ کچھ تجزیہ کار تبصرے کر رہے ہیں کہ ملک مشکل میں ہے۔ روی لامیچھانے نے کہا ہے کہ نیپال کی جمہوریت خطرے میں نہیں ہے اور نہ ہی ملک کسی مستقل بحران کا شکار ہے۔ وہ نظام کو دوبارہ درست راستے (ٹریک) پر لانے کے لیے پر امید ہیں۔ راشٹریہ سواتنترا پارٹی کے قانون سازوں کے تربیتی پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ارکان کو پارٹی کے اندر دھڑے بندی اور انتشار سے بچنے کی سخت ہدایت کی ہے اور کہا ہے کہ ملک کے وسیع تر مفاد میں سب کو متحد ہو کر کام کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ "کچھ تجزیہ کار سوچ رہے ہوں گے کہ ملک کہاں چلا گیا ہے؟ وہ ایسا بیانیہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے یہ کہیں مشکل میں ہے۔ ملک کہیں بھی مشکل میں نہیں ہے، ہم ملک کو دوبارہ ٹریک پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ملک ٹریک سے ہٹ گیا تھا۔ انہوں نے تاجر برادری اور عوام کو یقین دلایا ہے کہ نئی قیادت کا مقصد کسی کو ہراساں کرنا نہیں بلکہ معاشی اصلاحات، اسمگلنگ کی روک تھام اور گڈ گورننس کو یقینی بنانا ہے تاکہ ملک خوشحالی کی طرف گامزن ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ "ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کیا ٹیڑھی میڑھی لاشوں پر ٹیک لگائے امید اور بھروسے کے ساتھ ووٹ دینے والے بوڑھے والدین اور بھائی بہنوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں؟ ہمیں اپنے تاثرات، انٹرویوز، اپنے فیس بک سٹیٹس اور ہم کیا کرتے ہیں اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے چیف جسٹس کی تقرری سمیت دیگر آئینی فیصلوں پر سڑکوں پر ہونے والی بحث اور تنقید کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے آئینی عمل اور عدالتی نظام پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

دنیا بھر میں ۸ کروڑ ۲۲ لاکھ افراد اپنے ہی وطن میں بے گھر

نیوز ایجنسی
مولانا مشہود خاں نیپالی

دنیا بھر میں جاری جنگوں، خانہ جنگیوں، فرقہ وارانہ کشیدگی اور موسمیاتی آفات نے انسانی المیے کو انتہائی سنگین بنا دیا ہے۔ ایک تازہ عالمی رپورٹ کے مطابق کروڑوں افراد اپنے ہی ملک کے اندر بے گھر ہو کر کٹھن حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ Internal Displacement Monitoring Centre (انٹرنل ڈسپلیسمنٹ مانیٹرنگ سینٹر) اور Norwegian Refugee Council (نارویجین ریفیوجی کونسل) کی جانب سے جاری کردہ رپورٹ "عالمی رپورٹ برائے داخلی بے گھری ۲۰۲۶" کے مطابق دنیا بھر میں اندرونی طور پر بے گھر افراد کی تعداد بڑھ کر ۸ کروڑ ۲۲ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔

رپورٹ کے مطابق گزشتہ ایک دہائی کے دوران یہ تعداد دوگنا ہو چکی ہے۔ صرف سال ۲۰۲۵ کے اختتام تک ۱۰۴ ممالک میں یہ افراد بے گھر زندگی

گزار رہے تھے، جن میں سے ۶ کروڑ ۸۶ لاکھ افراد جنگ، تنازعات اور تشدد کے باعث اپنے گھروں سے محروم ہوئے۔ رپورٹ میں ایک نہایت اہم اور تشویشناک انکشاف یہ بھی کیا گیا ہے کہ تاریخ میں پہلی بار قدرتی آفات کے مقابلے میں جنگ اور تشدد بے گھری کی سب سے بڑی وجہ بن گئے ہیں۔ خاص طور پر جون ۲۰۲۵ میں اسرائیل ایران تنازع جون ۲۰۲۵ کے دوران ایران کے دارالحکومت تہران سے تقریباً ایک کروڑ افراد نقل مکانی پر مجبور ہوئے، جو جدید تاریخ کے بڑے داخلی انسانی بحرانوں میں شمار کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے تقریباً ۶۰ لاکھ افراد صوبہ مازندران اور ۴۰ لاکھ صوبہ گیلان منتقل ہوئے۔ اسی طرح فلسطین میں سال ۲۰۲۵ کے دوران ۲۷ لاکھ ۵۶ ہزار مرتبہ نقل مکانی کے واقعات ریکارڈ کیے گئے، جبکہ سال کے اختتام تک تقریباً ۲۰ لاکھ افراد بدستور بے گھر رہے۔

غزہ کی پٹی میں اگرچہ جنوری میں جنگ بندی ہوئی، مگر تباہ شدہ بنیادی ڈھانچے کے باعث معمولاتِ زندگی بحال نہ ہو سکے۔ مارچ میں دوبارہ جھڑپیں شروع ہونے کے بعد اگست تک حالات قحط جیسی سنگینی اختیار کر گئے۔ مزید برآں مغربی کنارہ میں بھی ۱۹۶۷ کے بعد کی سب سے بڑی سطح پر داخلی بے گھری ریکارڈ کی گئی، جو صورت حال کی سنگینی کو واضح کرتی ہے۔

رپورٹ کے مطابق سیلاب، زلزلے، طوفان اور دیگر قدرتی آفات کے باعث مزید ۳۶ لاکھ افراد بھی بے گھر ہوئے، جو ماحولیاتی تبدیلی کے بڑھتے ہوئے خطرات کی نشاندہی کرتا ہے۔

انٹرنل ڈسپلیسمنٹ مانیٹرنگ سینٹر کی ڈائریکٹر ٹریسی لوکاس کے مطابق اگرچہ بعض علاقوں میں بے گھری کے اعداد و شمار میں معمولی کمی دیکھی گئی ہے، تاہم مجموعی صورتحال اب بھی ریکارڈ کی بلند ترین سطح کے قریب ہے، جسے کسی حقیقی بہتری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ رپورٹ عالمی برادری کے لیے ایک واضح تنبیہ ہے کہ اگر بروقت اور مؤثر اقدامات نہ کیے گئے تو یہ انسانی بحران مزید شدت اختیار کر سکتا ہے اور کروڑوں زندگیاں مزید متاثر ہو سکتی ہیں۔ مولانا مشہود خاں نیپالی

حکومت دو نئے بین الاقوامی ہوائی اڈوں کے آپریشن میں تعاون کے لیے ہندوستان کے ساتھ سفارتی اقدامات شروع کرے گی

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

حکومت نے ملک کے دو نئے علاقائی بین الاقوامی ہوائی اڈوں کو مکمل طور پر فعال بنانے اور پروازوں کی تعداد میں اضافے کے لیے ہندوستان کے ساتھ فوری طور پر سفارتی اقدامات اور بات چیت شروع کرنے کا باضابطہ اعلان کیا ہے۔ وفاقی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں مالیاتی سال ۲۰۲۶/۲۷ کے لیے حکومت کی نئی پالیسیوں اور پروگراموں کو پیش کرتے ہوئے صدر رام چندر پاڈیل نے اس تزویراتی منصوبے کی توثیق کی ہے۔ حکومت نے اعلان کیا ہے کہ پوکھرا بین الاقوامی ہوائی اڈے اور گوتم بدھ بین الاقوامی ہوائی اڈے کے مکمل آپریشن کے لیے جلد از جلد ہندوستان کے ساتھ بات چیت شروع کی جائے گی۔ وزیر اعظم بالیندر شاہ کی حکومت کی پہلی پالیسی اور پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے، حکومت نے کہا کہ نیپال کے دو نئے بین الاقوامی ہوائی اڈوں کو مکمل طور پر چلانے اور اضافی ایئر لائنز کے ذریعے بین الاقوامی پروازوں کو بڑھانے کے لیے ہندوستان کے ساتھ سفارتی اقدامات شروع کیے جائیں گے۔ صدر رام چندر پاڈیل نے آج بجٹ اجلاس کے پہلے دن پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست میں حکومت کی پالیسی اور پروگرام کا اعلان کیا۔ غیر ملکی قرضوں سے بنائے گئے یہ دو بین الاقوامی ہوائی اڈے ابھی تک بین الاقوامی علاقائی پروازوں کی متوقع تعداد کو متوجہ نہیں کر سکے ہیں۔ نیپال حکومت کا خیال ہے کہ اگر ہندوستانی ایئر لائنز چاہیں تو دونوں ہوائی اڈے مکمل طور پر کام کر سکتے ہیں۔ اپنی پالیسی اور پروگرام میں حکومت نے اعلان کیا ہے کہ ان دونوں ہوائی اڈوں کو چلانے اور مختلف ہندوستانی شہروں سے براہ راست پروازوں کی اجازت دینے کے لیے ہندوستان کے ساتھ فوری طور پر سفارتی بات چیت شروع کی جائے گی

جمہوری اداروں اور حکومتی طرز عمل پر بڑھتی بحث

صوابدیدی اختیارات کے استعمال پر سوالات

کاٹھمانڈو نیوز ایجنسی
نیپال اردو ٹائمز
رضوان احمد مصباحی

نیپال کی سیاسی صورتحال میں حالیہ عرصے کے دوران حکومتی فیصلوں اور ادارہ جاتی توازن کے حوالے سے ایک نئی بحث سامنے آئی ہے۔ سیاسی و سماجی حلقوں میں یہ تشویش ظاہر کی جا رہی ہے کہ بعض حکومتی اقدامات میں قانونی طریقہ کار، ادارہ جاتی مشاورت اور پارلیمانی نگرانی کے اصولوں کو مکمل طور پر ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جا رہا۔ تجزیہ کاروں اور مبصرین کے مطابق ریاستی طاقت کے استعمال میں صوابدیدی رجحانات میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے، جس کے باعث جمہوری نظام کے اندر احتساب اور توازن کے اصولوں کے کمزور ہونے کا خدشہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس صورتحال کو بعض حلقے "من مانی حکمرانی" کے رجحان سے بھی تعبیر کر رہے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ محض عوامی مینڈیٹ یا نیک نیتی کے دعوے ادارہ جاتی حدود اور قانونی ضوابط کا متبادل نہیں ہو سکتے، بلکہ جمہوری نظام کی بقا کے لیے طریقہ کار کی پاسداری ناگزیر ہے۔ اسی طرح سیاسی اختلاف رکھنے والی شخصیات اور اداروں کے ساتھ حکومتی رویے،

انتظامی سطح پر بڑے پیمانے پر تبدیلیوں اور بعض فیصلوں میں شفاف قانونی عمل کے فقدان پر بھی سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ ماہرین اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اگر ریاستی اداروں کے درمیان چیک اینڈ بیلنس کا نظام کمزور ہو جائے تو اس کے نتیجے میں طاقت کے ارتکاز اور غیر متوازن فیصلوں کا خطرہ بڑھ سکتا ہے۔ تجزیاتی رائے میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ایک ہی ریاستی نظام کے اندر بیک وقت قانونی اور غیر رسمی صوابدیدی ڈھانچے کے ابھرنے سے ادارہ جاتی کمزوری پیدا ہو سکتی ہے، جو طویل مدت میں جمہوری ڈھانچے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ سیاسی و سماجی حلقوں کا کہنا ہے کہ جمہوری استحکام کے لیے پارلیمان، عدلیہ، میڈیا اور سول سوسائٹی کو اپنا نگرانی اور توازن کا کردار مزید مؤثر انداز میں ادا کرنا ہوگا تاکہ ریاستی طاقت آئینی حدود کے اندر رہ کر استعمال ہو سکے۔

نیپال میں مسافر طیارہ لینڈنگ کے وقت حادثہ کا شکار، ٹائر میں آگ لگنے سے افراتفری، سبھی ۲۷۸ مسافر محفوظ

کاٹھمانڈو: (نیپال اردو ٹائمز) نیپال کے تریبھون انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لینڈنگ کے دوران ایک مسافر طیارہ کے ٹائر میں آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا، جس نے افراتفری کا ماحول پیدا کر دیا۔ اچھی بات یہ رہی کہ کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوا۔ آگ پر فوراً قابو پا لیا گیا جس سے مسافروں کی جان بچ گئی۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ترکیے ایئر لائنس کے ایک طیارہ کے ٹائر

میں اس وقت آگ لگ گئی، جب اس نے لینڈنگ کی۔ پولیس کا کہنا ہے کہ آگ پر قابو پا لیا گیا ہے اور مسافروں کو بہ حفاظت طیارہ سے نکال لیا گیا ہے۔ اس طیارہ میں ۲۷۸ مسافر اور ۱۱ عملہ کے اہلکار سوار تھے۔ خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق پولیس کا کہنا ہے کہ آگ پر فوراً قابو پا لیا گیا اور سبھی مسافروں کو حفاظت کے ساتھ طیارہ سے نکال لیا گیا۔ یہ حادثہ پیر کی صبح تقریباً ۶٫۴۵ بجے پیش آیا۔ ایئرپورٹ سیکورٹی کے ایس پی راج کمار سلاول نے میڈیا کو فون پر بتایا کہ "ترکیے ایئر لائنس کا پلین 'ٹی کے ۷۲۶' استنبول سے کاٹھمنڈو آ رہا تھا اور لینڈنگ کے دوران اس کے ٹائر میں آگ لگ گئی۔ فائر بریگیڈ کے اہلکاروں کی مدد سے آگ پر قابو پایا گیا، اور پھر فوری طور پر مسافروں کو باہر نکالا گیا۔ افسران کے مطابق مسافروں میں اقوام متحدہ کے کچھ افسران بھی شامل تھے۔ راحت کی بات یہ رہی کہ اس حادثہ میں کسی کے ہلاک یا زخمی ہونے کی خبر نہیں ہے۔ خبروں میں یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ حادثہ کی وجہ سے رَنوے پر طیارہ کے رکنے سے کچھ دیر کے لیے آپریشن متاثر ہوا، حالانکہ بعد میں حالات معمول پر آ گئے۔

صفتہ بستی، راج گڑھ-۱، بارہ دشی، جھاپا، نیپال کے لیے فخر کا لمحہ۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

ایک ایسے پسماندہ گاؤں سے، جہاں تعلیمی سہولیات کی کمی، معاشی بحران اور بے شمار مشکلات کے باوجود طلبہ اپنے خوابوں کو زندہ رکھتے ہیں، وہاں سے دو ہونہار نوجوانوں نے SEE (دسویں) کے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے پورے علاقے کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ صدام حسین ابن شاہ جہاں نے GPA ۳٫۲۲ (تقریباً ۸۰٫۵٪) حاصل کر کے بہترین کامیابی اپنے نام کی۔ اور اشرف رضا ابن تمیز الدین میاں نے GPA ۳٫۰۵ (تقریباً ۷۶٫۲۵٪) حاصل کر کے قابلِ ستائش کارکردگی پیش کی۔ یہ کامیابی صرف دو طلبہ کی کامیابی نہیں بلکہ اس پورے گاؤں کی امید، محنت اور عزم کی جیت ہے۔ ایسے حالات میں رہ کر تعلیم حاصل کرنا یقیناً بہت بڑی بات ہے، اور یہ نوجوان آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مثال بن گئے ہیں۔ جس پر پوری کمیونیٹی کو فخر ہے، اس طرح کی خبروں سے قلبی سکون ملتا ہے ہم دل کی گہرائیوں سے دونوں کامیاب طلبہ، ان کے والدین، اساتذہ اور اہلِ علاقہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں طلبہ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے اور انہیں قوم و ملت کا بہترین خدمت گزار بنائے۔ آمین

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
عالمی خبریں
14 / مئی 2026 مطابق 26 / ذی القعدہ 1447ھ / 31 گتے بیساکھ 2083

اسرائیلی فوجیوں پر حزب اللہ کا حملہ

تل ابیب:(ایجنسیاں) اسرائیلی دفاعی افواج (IDF) نے بدھ کے روز بتایا کہ جنوبی لبنان میں تعینات اسرائیلی فوجیوں کی جانب راکٹ فائر کیے جانے کے بعد شمالی اسرائیل میں سائرن بج اٹھے۔ فوج کے مطابق اس دوران کچھ مشتبہ فضائی اہداف کو بھی درمیان میں ہی روک لیا گیا۔ اپنے سرکاری ٹیلیگرام چینل کے ذریعے آئی ڈی ایف نے ابتدائی رپورٹ میں کہا: "زاریت علاقے میں سائرن بج رہے ہیں، تفصیلات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔" بعد ازاں فوج نے اس حملے کا الزام حزب اللہ پر عائد کرتے ہوئے کہا: "حزب اللہ دہشت گرد تنظیم نے جنوبی لبنان سے آئی ڈی ایف کے فوجیوں کی جانب متعدد راکٹ فائر کیے۔" فوج کے مطابق یہ راکٹ فوجیوں کے بالکل قریب گرے، تاہم کسی قسم کے جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ آئی ڈی ایف نے مزید کہا کہ سائرن مقررہ حفاظتی پروٹوکول کے مطابق بجائے گئے۔ ایک علیحدہ آپریشنل اپ ڈیٹ میں اسرائیلی فوج نے بتایا کہ فرنٹ لائن ڈیفنس ایریا کے جنوب میں تعینات فوجی حزب اللہ کے عسکری ڈھانچے کو ختم کرنے کی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، تاکہ اسرائیلی شہریوں کو لاحق خطرات کو ختم کیا جا سکے۔

اسی دوران ایک کارروائی میں فوج نے ایک ایسے شخص کی نشاندہی کی جو مبینہ طور پر نگرانی کے آلات کے ذریعے اسرائیلی فوجیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ آئی ڈی ایف کے مطابق فوری اور درست کارروائی کے ذریعے اس شخص کو ٹینک کی فائرنگ سے ہلاک کر دیا گیا۔

اس سے قبل اسرائیلی فوج نے کہا تھا کہ فضائیہ نے جنوبی لبنان میں تعینات فوجیوں کے علاقے میں ایک مشتبہ فضائی ہدف کو درمیان میں ہی روک لیا، اور اس دوران کوئی سائرن نہیں بجایا گیا۔ تاہم بعد میں ایویویم علاقے میں دشمن کے فضائی حملے کے خطرے کے تحت سائرن بجائے گئے، جس کے بارے میں بعد ازاں فوج نے جنوبی لبنان میں تعینات اسرائیلی فوجیوں کی جانب متعدد راکٹ فائر کیے، جو فوجیوں کے قریب گرے، لیکن کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ دوسری جانب حزب اللہ کے رہنما نعیم قاسم نے اعلان کیا ہے کہ ان کی تنظیم کی عسکری صلاحیتیں لبنان کا اندرونی معاملہ ہیں اور اسرائیل کے ساتھ جاری کشیدگی میں انہیں کسی مذاکراتی عمل کا حصہ نہیں بنایا جائے گا۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے اسرائیلی فوجی دباؤ کے خلاف سخت موقف اختیار کرتے ہوئے کہا: "ہم میدان نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اسے اسرائیل کے لیے جہنم بنا دیں گے۔" یہ سخت مؤقف ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب لبنان اور اسرائیل کے درمیان کشیدہ صورتحال مسلسل جھڑپوں کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ مئی ۲۰۲۶ کے وسط تک امریکی ثالثی میں ہونے والا جنگ بندی معاہدہ، جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا تھا اور بعد میں توسیع دی گئی، عملی طور پر غیر مؤثر ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔
رپورٹس کے مطابق زمینی سطح پر روزانہ جھڑپیں جاری ہیں، جبکہ اسرائیلی افواج جنوبی لبنان کے ایک بفر زون میں اپنی موجودگی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق مارچ سے اب تک اسرائیلی فوج نے لبنان کے تقریباً ۶ فیصد علاقے پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے کہا ہے کہ اسرائیل اور لبنان کے درمیان اگلے دور کی اہم مذاکراتی بات چیت ۱۴ اور ۱۵ مئی کو ہوگی، جس میں واشنگٹن ثالثی کا کردار ادا کرے گا۔ اس مذاکراتی عمل کا مقصد ایک وسیع تر امن و سلامتی معاہدہ آگے بڑھانا اور حزب اللہ کے مسئلے کو حل کرنا ہے۔

پاکستانی فورسز پر گوادر میں بلوچ کارکنوں کے قتل کا الزام

بلوچستان:(ایجنسیاں)
گوادر ضلع کے جیوانی علاقے کنٹانی میں مبینہ طور پر پاکستان کوسٹ گارڈ کے اہلکاروں کی فائرنگ سے کئی بلوچ مزدور ہلاک اور متعدد دیگر زخمی ہو گئے۔ یہ دعویٰ مقامی رہائشیوں اور عینی شاہدین نے کیا ہے۔ اس واقعے کے بعد بلوچ سیاسی جماعتوں، طلبہ تنظیموں اور انسانی حقوق کے اداروں میں شدید غم و غصہ پایا جا رہا ہے، جنہوں نے اس مبینہ حملے کو بلوچستان میں ریاستی جبر کی ایک اور مثال قرار دیتے ہوئے مذمت کی ہے۔
یہ خبر 'دی بلوچستان پوسٹ' نے شائع کی ہے۔ 'دی بلوچستان پوسٹ' کے مطابق، عینی شاہدین نے بتایا کہ فائرنگ اُس وقت شروع ہوئی جب مزدور ساحلی علاقے میں معمول کے مطابق کام کر رہے تھے۔ گولیوں کی آواز سے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا اور مزدوروں سمیت مقامی لوگوں کو جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑا۔ اگرچہ مقامی ذرائع نے فائرنگ کا ذمہ دار پاکستان کوسٹ گارڈ کو ٹھہرایا ہے، تاہم خبر لکھے جانے تک پاکستانی حکام کی جانب سے کوئی سرکاری بیان جاری نہیں کیا گیا تھا۔ رپورٹس کے مطابق، کئی زخمی مزدوروں کو قریبی اسپتالوں میں منتقل کیا گیا، جہاں بعض کی حالت نازک بتائی گئی ہے۔ اطلاعات کے مطابق، ہلاکتوں میں اضافے کے خدشے کے پیشِ نظر طبی مراکز میں ہنگامی اقدامات نافذ کیے گئے۔ بلوچ تنظیموں نے اس واقعے پر سخت ردِعمل ظاہر کرتے ہوئے اسے علاقے میں عسکریت پسندی اور معاشی دباؤ کی وسیع مہم کا حصہ قرار دیا۔ بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے ترجمان شولان بلوچ نے اس واقعے کو "کنٹانی قتلِ عام" قرار دیتے ہوئے کہا کہ روزگار اور روٹی کی تلاش میں نکلنے والے مزدوروں کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا۔ بلوچ وومن فورم (بی ڈبلیو ایف) نے دعویٰ کیا کہ درجنوں افراد ہلاک ہو سکتے ہیں اور علاقے میں ایمرجنسی سہولیات نہ ہونے پر شدید تنقید کی۔ تنظیم کے مطابق، ایمبولینس نہ ہونے کے باعث مقامی لوگوں کو زخمیوں کو نجی گاڑیوں اور اپنے کندھوں پر اسپتال پہنچانا پڑا۔ بی ڈبلیو ایف کی چیف آرگنائزر ڈاکٹر شالی بلوچ نے پاکستانی ریاست پر الزام عائد کیا کہ گوادر کو ایک سخت عسکری زون میں تبدیل کر دیا گیا ہے، جس کا مقصد مقامی آبادی کے بجائے اسٹریٹیجک اور معاشی مفادات کا تحفظ ہے۔ یہ بات بھی 'دی بلوچستان پوسٹ' کی رپورٹ میں کہی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ گوادر کو عالمی سطح پر ایک بڑے ترقیاتی مرکز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن مقامی بلوچ باشندے اب بھی غربت، پابندیوں، جبری گمشدگیوں اور تشدد کا سامنا کر رہے ہیں۔ بلوچستان نیشنل پارٹی، نیشنل پارٹی اور حق دو تحریک بلوچستان سمیت مختلف سیاسی جماعتوں نے بھی اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے ذمہ دار افراد کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ کیا ہے

حزب اللہ مذاکرات میں شامل نہیں ہوگا: نعیم قاسم

بیروت:(ایجنسیاں) نعیم قاسم نے اعلان کیا ہے کہ تنظیم کی عسکری صلاحیتیں مکمل طور پر لبنان کے اندرونی معاملے سے متعلق ہیں اور اسرائیل کے ساتھ جاری کشیدگی میں انہیں کسی بھی مذاکراتی عمل کا حصہ نہیں بنایا جائے گا۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق حزب اللہ کے سربراہ نے اسرائیلی فوجی دباؤ کے خلاف سخت مؤقف اختیار کرتے ہوئے کہا کہ ان کے جنگجو طویل لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا: "ہم میدان نہیں چھوڑیں گے، ہم اسے اسرائیل کے لیے جہنم بنا دیں گے۔" تنظیم کے سربراہ نے لبنانی حکومت کے ساتھ مستقبل کے تعاون کے لیے ایک فریم ورک بھی پیش کیا جس میں پانچ بنیادی اہداف شامل ہیں۔ ان میں لبنان کی خودمختاری کا تحفظ، اسرائیلی جارحیت کا خاتمہ، مقبوضہ علاقوں سے اسرائیلی افواج کا مکمل انخلا، زیرِ حراست افراد کی رہائی، جنوبی لبنان سے بے گھر شہریوں کی واپسی، اور وسیع پیمانے پر تعمیرِ نو شامل ہیں۔
نعیم قاسم نے غیر ملکی مداخلت پر سخت مؤقف اپناتے ہوئے کہا کہ لبنان کے ہتھیاروں، مزاحمت اور داخلی معاملات میں کسی بیرونی فریق کا کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے واضح کیا کہ مزاحمتی تنظیم کا اسلحہ فی الحال بین الاقوامی مذاکرات کا حصہ نہیں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ایک اندرونی لبنانی معاملہ ہے اور دشمن کے ساتھ مذاکرات کا موضوع نہیں۔ ان کے مطابق جب لبنان پانچ نکات حاصل کر لے گا تو وہ اپنی داخلی سلامتی کی حکمت عملی خود ترتیب دے گا جس میں مزاحمتی قوتوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ یہ سخت مؤقف ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب لبنان اور اسرائیل کے درمیان صورتحال بدستور کشیدہ اور پرتشدد ہے۔ مئی ۲۰۲۶ کے وسط تک امریکہ کی ثالثی میں ہونے والا جنگ بندی معاہدہ، جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا تھا اور بعد میں بڑھایا گیا، عملی طور پر صرف کاغذی حیثیت رکھتا ہے۔ زمینی صورتحال میں روزانہ جھڑپیں جاری ہیں جبکہ اسرائیل جنوبی لبنان میں ایک عسکری بفر زون پر قابض ہے۔ رپورٹس کے مطابق اسرائیلی افواج مارچ سے تقریباً ۶ فیصد لبنانی علاقے پر کنٹرول رکھتی ہیں۔ ان حالات کے نتیجے میں انسانی بحران بھی شدید ہو گیا ہے۔ الجزیرہ کے مطابق ۲،۸۴۰ سے زائد افراد ہلاک اور ۸،۷۰۰ سے زیادہ زخمی ہو چکے ہیں، جبکہ ایک ملین سے زیادہ افراد اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسرائیلی فضائی حملے ملک کے مختلف حصوں پر جاری ہیں، خاص طور پر بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقے "داحیہ" اور دریائے لیتانی سے آگے کے علاقوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ حملے اکثر شہریوں کو انخلا کے احکامات کے بعد کیے جاتے ہیں۔

ٹرمپ کی ایران سے ناراضگی، نہ جنگ ہوگی نہ معاہدہ

واشنگٹن:(ایجنسیاں)
گذشتہ ۸ اپریل سے نافذ العمل ہونے والے جنگ بندی کے معاہدے کو دو ماہ گزرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور ایران کے درمیان معاملات جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ تعطل اس وقت پیدا ہوا جب جنگ کے خاتمے کیلئے امریکہ کی جانب سے پیش کردہ تجویز پر ایران کا ردعمل موصول ہوا، جسے امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے نہایت منفی اور بہت برا قرار دیا ہے۔ ڈونالڈ ٹرمپ نے گذشتہ پیر کے روز خبردار کیا تھا کہ ایران کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ اب وینٹی لیٹر پر ہے اور آخری سانسیں لے رہا ہے۔ انہوں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ تہران پر اپنے نیوکلیئر پروگرام سے دستبردار ہونے کیلئے دباؤ ڈالنے کے ہدف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ وائٹ ہاؤس میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایران کا خیال ہے کہ میں صبر کھو دوں گا یا اس تنازعہ سے اکتا جاؤں گا، یا توانائی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے باعث مجھ پر جنگ ختم کرنے کیلئے دباؤ بڑھے گا، لیکن میں واضح کر دوں کہ مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ہے اور میں مکمل فتح حاصل کروں گا۔ ٹرمپ نے موجودہ ایرانی ردعمل کو انتہائی کمزور قرار دیتے ہوئے اسے کچرا قرار دیا۔ دوسری جانب ایران کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے امریکہ کو کشیدگی بڑھانے کے خلاف خبردار کیا ہے۔ ایرانی پارلیمنٹ کے اسپیکر اور سینئر مذاکرات کار محمد باقر قالیباف نے گذشتہ روز سماجی رابطے کی ویب سائٹ ایکس پر ایک پوسٹ میں کہا کہ ہماری مسلح افواج کسی بھی جارحیت کا بھرپور جواب دینے کیلئے تیار ہیں۔ یہ پیش رفت ایک ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب امریکی تجویز پر ایرانی جواب میں تمام محاذوں بالخصوص لبنان میں جنگ کے خاتمے پر زور دیا گیا ہے، جہاں اسرائیل کو ایران کے حمایت یافتہ حزب اللہ کا سامنا ہے۔ تہران نے اپنے جواب میں جنگی نقصانات کے معاوضے کا مطالبہ بھی کیا اور آبنائے ہرمز پر ایرانی خود مختاری پر زور دیا ہے۔ ایران نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی بحری ناکہ بندی ختم کرے، مزید حملے نہ کرنے کی ضمانت دے، پابندیاں اٹھائے اور ایرانی تیل کی فروخت پر امریکی پابندی کا خاتمہ کرے۔ واضح رہے کہ امریکی تجویز میں ایران کے نیوکلیئر پروگرام جیسے حساس ترین مسائل پر مذاکرات شروع کرنے سے پہلے لڑائی کے خاتمے پر توجہ مرکوز کی گئی تھی۔ یہ تمام تر صورتحال امریکی صدر اور ان کے چینی ہم منصب شی جن پنگ کے درمیان ہونے والی متوقع ملاقات سے قبل سامنے آئی ہے۔ ٹرمپ جو کل بروز چہارشنبہ بیجنگ پہنچ رہے ہیں، توقع ہے کہ وہ چین پر ایران کے ساتھ بحران حل کرنے اور اہم ترین تجارتی گزرگاہ آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولنے میں مدد کیلئے دباؤ ڈالیں گے۔ دریں اثنا امریکی بحریہ نے گذشتہ روز اعلان کیا ہے کہ ایک ایٹمی آبدوز جبرالٹر کی بندرگاہ پر پہنچ گئی ہے۔ امریکی بحریہ کے چھٹے بیڑے کا کہنا ہے کہ بندرگاہ کا یہ دورہ امریکہ کی صلاحیت، لچک اور اپنے نیٹو اتحادیوں کے ساتھ مسلسل وابستگی کا مظہر ہے۔ تاہم ابتدا میں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ برطانوی علاقے میں اس آبدوز کی آمد کا تعلق امریکہ کی امن تجویز کو ایران کی جانب سے مسترد کیے جانے سے ہے یا نہیں۔ محکمہ دفاع نے اس ایٹمی آبدوز کا نام ظاہر نہیں کیا ہے جو بیلسٹک میزائل لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کا تعلق اوہائیو کلاس سے ہے۔

روس نے ایران کو جام نہ ہونے والے جدید ڈرونز دینے کی پیشکش کی

ماسکو:(ایجنسیاں) برطانوی جریدے دی اکانومسٹ نے ایک خفیہ دستاویز کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ روس نے ایران کو ایسے جدید ڈرونز اور ان کے استعمال کی تربیت فراہم کرنے کی پیشکش کی ہے جنہیں الیکٹرانک جامنگ سے متاثر نہیں کیا جا سکتا اور جو امریکی افواج کے خلاف موئثر استعمال ہو سکتے ہیں۔ دستاویز میں ۵ ہزار مختصر فاصلے کے فائبر آپٹک ڈرونز فراہم کرنے کی تجویز شامل ہے، رپورٹ کے مطابق یہ ڈرونز خلیج فارس اور دیگر حساس علاقوں میں امریکی اور اتحادی افواج کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں، جس سے خطے میں عسکری توازن مزید پیچیدہ ہو سکتا ہے۔ یہ خفیہ منصوبہ روس کی فوجی انٹیلی جنس ایجنسی گرو کی جانب سے تیار کردہ ایک دس صفحات پر مشتمل تجویز پر مبنی ہے، جو ایران کو پیش کیے جانے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ ولادیمیر پوتن کی حکومت نے صرف انٹیلی جنس فراہم کی تھی، جس کے ذریعے ایران نے مشرق وسطیٰ میں امریکی افواج کو نشانہ بنانے میں مدد حاصل کی، تاہم یہ پہلی بار ہے کہ بڑے پیمانے پر جدید ہتھیاروں کی ممکنہ فراہمی کا ذکر سامنے آیا ہے

فلسطینی عوام کیلئے سعودی عرب کی جانب سے نئی انسانی امداد

ریاض رغزہ:(ایجنسیاں)
سعودی عرب میں شاہ سلمان مرکز برائے امداد و انسانی خدمات کی جانب سے فراہم کردہ امداد کا ایک نیا قافلہ گذشتہ روز غزہ کی پٹی پہنچ گیا۔ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر پیش کی جانے والی امداد میں غزہ کی پٹی میں فلسطینی عوام کیلئے سعودی عوامی مہم کے تحت غذائی پیکٹ اور رہائشی خیمے شامل ہیں۔ یہ امداد سعودی سینٹر فار کلچر اینڈ ہیریٹیج نے وصول کی ہے جو کہ غزہ کی پٹی میں شاہ سلمان مرکز کا ایگزیکٹو پارٹنر ہے۔ سعودی سینٹر فار کلچر اینڈ ہیریٹیج کی فیلڈ ٹیمیں غزہ کی پٹی کے مختلف علاقوں میں امداد کی تقسیم کے عمل کو مسلسل جاری رکھنے کی ذمہ دار ہیں۔ اسی تناظر میں شاہ سلمان مرکز کے سینٹرل کچن نے غزہ کی پٹی کے وسطی اور جنوبی حصوں میں انتہائی ضرورت مند افراد میں ۲۴،۰۰۰ تیار پکے ہوئے کھانے تقسیم کیے، جن سے ۲۴،۰۰۰ افراد مستفید ہوئے۔ یہ اقدام بھی فلسطینی عوام کی امداد کیلئے جاری سعودی عوامی مہم کا حصہ ہے۔ مزید برآں شاہ سلمان مرکز نے گذشتہ روز غزہ کی پٹی کے شہر خان یونس میں انتہائی ضرورت مند خاندانوں میں ۸۲۰ غذائی پیکٹ تقسیم کیے، جن سے ۴،۹۲۰ افراد مستفید ہوئے۔ یہ امدادی کوششیں اس سلسلے کی کڑی ہیں جو مملکت سعودی عرب ... شاہ سلمان مرکز کے ذریعے غزہ کی پٹی میں فلسطینی بھائیوں کی تکالیف کو کم کرنے کیلئے انجام دے رہا ہے۔

سعودی عرب کی کویت میں ایرانی پاسداران کے مبینہ دراندازی کی شدید مذمت

ریاض:(ایجنسیاں)۔ سعودی وزارتِ خارجہ نے سخت الفاظ میں مملکت کی جانب سے اس واقعے کی مذمت اور شدید ردِعمل کا اظہار کیا ہے، جس میں مبینہ طور پر ایرانی اسلامی جمہوریہ کے پاسداران انقلاب سے وابستہ ایک مسلح گروہ نے کویت کے جزیرہ بوبیان میں دراندازی کی کوشش کی اور کویت کے خلاف تخریبی کارروائی کا منصوبہ بنایا۔ وزارتِ خارجہ نے اس اقدام کو اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون کی کھلی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ ایسے حملے کویت کی خودمختاری پر براہِ راست حملہ ہیں اور خطے میں امن و استحکام کی کوششوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ بیان میں سعودی عرب نے کویت کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ حکومت اور عوام کے ساتھ کھڑا ہے۔ ساتھ ہی اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ کویت اپنی سلامتی اور خودمختاری کے تحفظ کے لیے جو بھی اقدامات کرے گا، سعودی عرب ان کی مکمل حمایت کرتا ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

نیپال انویسٹمنٹ میگا بینک کے سی ای او دھوکہ دہی کے معاملہ میں گرفتار

کاٹھمانڈو: (ایجنسیاں) سراقہ رضوی

نیپال انویسٹمنٹ میگا بینک لمیٹڈ کے چیف ایگزیکیٹو آفیسر (سی ای او) جیوتی پرکاش پانڈے کو دھوکہ دہی کے معاملے میں گرفتار کیا گیا ہے۔ وہ اپنا موبائل فون بند کر کے حکام سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن آج صبح کاٹھمنڈو کے باہر واقع سندھولی ضلع کے ایک بس پارک سے اسے گرفتار کیا گیا نیپال پولیس کے سنٹرل انویسٹی گیشن بیورو (سی آئی بی) کے چیف اے آئی جی منوج کے سی نے بتایا کہ پانڈے کو آج صبح تقریباً ۸ بجے مدن بھنڈاری ہائی وے پر گاڑیوں کی معمول کی جانچ کے دوران گرفتار کیا گیا۔ پانڈے کو اسمارٹ ٹیلی کام سے متعلق اثاثوں کی خرید وفروخت کے معاملے کے سلسلے

میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اسمارٹ ٹیلی کام کو نیپال میں ٹیلی کمیونیکیشن خدمات کے لیے بنیادی ٹیلی فون سروس کا لائسنس دیا گیا تھا۔ تاہم، کمپنی ریگولیٹری اصولوں کے مطابق اپنے لائسنس کی تجدید کرنے میں ناکام رہی۔ نتیجتاً، کمپنی کا لائسنس خود بخود منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد، ٹیلی کمیونیکیشن سروس پرووائیڈر کے اثاثہ جات کے انتظام کے ضوابط کے تحت عمل کرتے ہوئے،

نیپال ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی نے کمپنی کے تمام اثاثوں بشمول اس کا ٹیلی کمیونیکیشن انفراسٹرکچر، ڈھانچے، سسٹمز اور نیٹ ورک کا کنٹرول حاصل کر لیا۔ الزام ہے کہ انویسٹمنٹ میگا بینک نے اپنے بقایا قرضوں کی وصولی کے بہانے ا سمارٹ ٹیلی کام کے اثاثے کسی دوسری کمپنی کو فروخت کر دیے۔

سی آئی بی (سینٹرل انویسٹی گیشن بیورو) کے مطابق، یہ کارروائیاں نیپال کی حکومت سے تعلق رکھنے والے اثاثوں کو دھوکہ دہی سے فروخت کر کے حکومت کی اتھارٹی کو کمزور کرنے کے مخصوص ارادے سے کی گئیں۔ اس معاملے میں قرض کی وصولی کمیٹی کے چیئرمین پانڈے بھی ملزم پائے گئے ہیں۔

ماؤنٹ ایورسٹ پر موسم بہار ۲۰۲۶ کی مہمات کا آغاز۔

نیپال اردو ٹائمز

محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ پر موسم بہار ۲۰۲۶ کی مہمات کے لیے راستہ باضابطہ طور پر کھول دیا گیا ہے۔ بدھ کے روز ۱۱ ارکنی رسی بچھانے والی ٹیم نے کامیابی کے ساتھ ۸،۸۴۸ء۸۶ میٹر بلند چوٹی سر کر کے راستہ اور رسی نصب کرنے کا کام مکمل کر لیا۔

Expedition Operators') (Association Nepal (ای او اے این) کے مطابق منگما دورچی شیرپا کی قیادت میں ٹیم صبح تقریباً ۱۰ بج کر ۲۵ منٹ پر چوٹی تک پہنچی۔ اس موقع پر ٹیم نے حکومت نیپال، محکمہ سیاحت اور ای او اے این کے پرچم بھی لہرا کر مہم کی کامیابی کا اعلان کیا۔ ای او اے این کے جنرل سیکریٹری رشی بھنڈاری نے کہا کہ انتہائی خراب موسمی حالات، بلندی کے خطرات اور دشوار گزار راستوں کے باوجود نیپالی شیرپا برادری نے ایک بار پھر اپنی جرات، پیشہ ورانہ مہارت اور کوہ پیائی سے وابستگی کو دنیا کے سامنے ثابت کیا ہے۔ راستہ کھلنے کے بعد اب مختلف ممالک کے کوہ پیما اپنی اپنی مہمات کے آغاز کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق تقریباً ۴۹۰ کوہ پیما گزشتہ ایک ماہ سے کھمبو علاقے میں قیام اور جسمانی موافقت (Acclimatization) کے عمل میں مصروف تھے اور سازگار موسم کا انتظار کر رہے تھے۔ ۱۱ ارکنی رسی بچھانے والی ٹیم میں منگما دورچی شیرپا، پام درجی شیرپا، پاسانگ تاشی شیرپا، لوپسانگ بھوٹیا، منگ نوربو شیرپا، چھومبا تنجی شیرپا، گروبھوٹے، منگما تینجے شیرپا، منگ تیمبا شیرپا، ڈینڈی شیرپا اور پاسانگ نوربو شیرپا شامل تھے۔

بجلی بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شاہی اور باسل کی تقرری

شفیق رضا

کاٹھمانڈو — نیپال الیکٹرکٹی اتھارٹی (NEA) کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں دو نئے اراکین کی تقرری کی گئی ہے۔ بدھ کے روز وزیر برائے توانائی، پانی کے وسائل اور آبپاشی، ویراج بھکت شریشٹھ نے ایک وزارتی سطح کے فیصلے کے ذریعے آئندہ چار سال کے لیے کاٹھمانڈو-۱۵ کے رہائشی، انشوکرن شاہی اور نارجون میونسپلٹی-۵ کے رہائشی، کرشن باسل کو مقرر کیا ہے۔ اسی طرح، اتھارٹی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اتھارٹی کے قائم مقام ایگزیکٹو ڈائریکٹر، دیرگھایو کمار شریشٹھ کو قائم مقام ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی ذمہ داری سونپی ہے۔ یہ فیصلہ بدھ کے روز وزیر توانائی شریشٹھ کی زیر صدارت اتھارٹی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اجلاس میں کیا گیا بدھ کے روز ہی وزیر توانائی

عدالت میں جلد فیصلہ کے لیے فاسٹ ٹریک بنچ کی سفارش

شفیق رضا

کاٹھمانڈو—

قانون، انصاف اور پارلیمانی امور کی وزارت نے قائم کردہ ایک تحقیقی کمیٹی تجویز دی ہے کہ ترقیاتی منصوبوں کے معاملات برسوں تک عدالتوں میں التوا کا شکار رہتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے ایک الگ سماعت کے لیے بنیادی ڈھانچہ عدالت (ٹرائبینل) قائم کی جانی چاہیے۔

ایک بنیادی ڈھانچہ ٹرائبینل کے قیام کا مشورہ دیا گیا ہے، جس میں خصوصی اختیارات کے ساتھ تکنیکی علم رکھنے والے ماہر جج اور ماہرین کی شمولیت سے تین ماہ کے اندر مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ تجویز قانون، انصاف اور پارلیمانی امور کی وزیر، سوبیتا گوتم نے وزارت کے سیکرٹری، پاراشور ڈھونگانہ کی سربراہی میں قائم کردہ کمیٹی کی رپورٹ میں دی ہے۔ وزیر قانون گوتم نے ترقیاتی منصوبے کے مقدمات کے باعث طویل عرصے تک مکمل نہ ہونے والے، اور عدالت میں ترقیاتی مقدمات کے طویل عرصے تک غیر طے شدہ رہنے کے مسائل کے حل کے لیے ایک تحقیقی کمیٹی قائم کی تھی۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ترقیاتی منصوبوں سے متعلق مقدمات کے مسائل کو حل کرنے اور نیپال میں 'بنیادی ڈھانچہ عدالت' کی ضرورت ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بنیادی ڈھانچہ ٹرائبینل میں ہائی کورٹ کے جج کی سربراہی میں، پروجیکٹ مینجمنٹ کے شعبے میں تجربہ اور مہارت رکھنے والے مالیات کے ماہر رکن اور انجینئرنگ کے ماہر رکن کی شمولیت کا انتظام مناسب ہو گا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مقدمے کے موضوع کے مطابق انجینئر کے رکن کا تقرر کیا جا سکے، اس لیے انجینئرز کا روسٹر تیار کرنا مناسب ہو گا، اور بنیادی ڈھانچہ ٹرائبینل کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی اجازت ہونی چاہیے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ماہر ججوں کے ساتھ بنیادی ڈھانچہ عدالت کے قیام کے ساتھ ساتھ، سپریم کورٹ میں اپیل سننے کے لیے ایک مخصوص فاسٹ ٹریک بنچ قائم کیا جانا چاہیے اور دو ماہ کے اندر فیصلہ کرنے کی ڈیڈ لائن مقرر کی جانی چاہیے۔ قانون کی وزارت کی رپورٹ کابینہ میں پیش کر کے ایسی عدالت کے قیام کی تجویز کو آگے بڑھانے کی تیاری ہے۔

www.nepalurdutimes.com

نئے نیپال میں عارضی واپسی — پردیس کی مشقت کے بعد وطن کی مٹی کا سکون۔

نیپال اردو ٹائمز

محمد رضوان احمد مصباحی

نیپال کے ضلع جاجرکوٹ سے تعلق رکھنے والے ہری پرکاش چندارا کی زندگی جدوجہد، قربانی اور امید کی ایک ایسی داستان ہے جو ہزاروں نیپالی تارکینِ وطن کی نمائندگی کرتی ہے۔ دو برس ملائیشیا میں محنت مزدوری کرنے کے بعد جب وہ مختصر چھٹی پر اپنے وطن واپس لوٹے تو اُن کے دل میں خوشیوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ وطن کی مٹی پر قدم رکھتے ہی گویا برسوں کی تھکن، جدائی اور پردیس کی تلخیاں ختم ہو گئیں۔ ہری پرکاش کہتے ہیں کہ ملائیشیا جانے کے بعد ان کی معاشی حالت بہتر ہوئی، اب وہ اپنے خاندان کے مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔ وہ روزانہ اپنی بیٹیوں سے ویڈیو کال پر بات کرتے تھے، جو ہمیشہ پوچھتی تھیں کہ "آپ کب واپس آئیں گے؟" اور اب آخرکار وہ لمحہ آ ہی گیا جب وہ اپنی بیٹیوں کے لیے تحائف اور خوشیاں لے کر گھر پہنچے۔ انہوں نے اپنی بچپن کی سختیوں کو یاد کرتے شادی اور بڑھتی ذمہ داریوں نے انہیں بھارت کے مختلف علاقوں میں مزدوری پر مجبور کیا۔ کبھی شملہ میں سیب توڑنے کا کام کیا، کبھی پنجاب اور آسام میں روزگار تلاش کیا۔ کورونا وبا کے دوران مشکلات مزید بڑھ گئیں، مگر وطن واپس آکر بھی معاشی مسائل ختم نہ ہوئے۔ انہوں نے ایک پرائمری اسکول میں تدریس کی، چھوٹا ہوٹل بھی کھولا، لیکن کامیابی نہ ملی۔ آخرکار خاندان کی بہتر زندگی کے لیے ملائیشیا ہجرت کرنا پڑی۔ ہری پرکاش صرف ایک مزدور ہی نہیں بلکہ ایک حساس شاعر بھی ہیں۔ وہ غزل، شاعری اور مختصر نظمیں لکھتے ہیں۔

ان کے مطابق قلم اور کاغذ ان کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیتے ہیں۔ مگر پردیس کی سخت زندگی، فیکٹری کی طویل ڈیوٹی اور شور سے بھرے ہاسٹل نے ان کی تخلیقی دنیا کو محدود کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جاجرکوٹ کے پہاڑ، پرندوں کی آوازیں اور ٹھنڈی ہوا انہیں دوبارہ سوچنے اور لکھنے کی آزادی دیتی ہیں۔ سن ۲۰۲۳ کے جاجرکوٹ زلزلے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اُس وقت وہ اپنے بھائی کے ساتھ سرکھیٹ میں تھے اور اپنے خاندان سے رابطہ نہ ہونے پر شدید خوفزدہ تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اہلِ خانہ محفوظ ہیں، اگرچہ گھر کو نقصان پہنچا تھا۔ اسی کے بعد انہوں نے ملائیشیا میں مزید محنت کی اور اب اپنی کمائی سے ایک چھوٹا سا گھر تعمیر کر چکے ہیں۔ ان کی اہلیہ بھی قطر میں ملازمت کرتی ہیں تاکہ بچوں کو بہتر تعلیم دلائی جا سکے۔ اپنی وطن واپسی پر لکھی گئی نظم میں انہوں نے اپنی خوشی اور جذبات کو ان الفاظ میں بیان کیا: "میں اپنی سرزمین لوٹ آیا ہوں، آج میرا دل خوشی سے بھر گیا ہے۔

پردیس کے دکھ اب آہستہ آہستہ مٹ رہے ہیں۔ اپنی مٹی کو چھونے کے بعد دل کو سکون مل گیا ہے۔ دو برس کی دوری کو محبت نے ختم کر دیا ہے۔ اپنے وطن کی خوشبو نے زندگی کو معطر کر دیا ہے۔" ہری پرکاش چندارا کی یہ کہانی اس حقیقت کی عکاس ہے کہ پردیس کی کمائی صرف پیسہ نہیں لاتی، بلکہ اس کے پیچھے بے شمار قربانیاں، جدائیاں اور خواب پوشیدہ ہوتے ہیں۔ وطن کی محبت اور خاندان کی خوشی ہی وہ طاقت ہے جو ہزاروں نیپالی نوجوانوں کو سخت ترین حالات میں بھی زندہ رکھتی ہے۔

ہمالیہ اور اینڈیز کے درمیان تعمیری ہم آہنگی۔

نیپال اردو ٹائمز

محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو / نیپال:

نیپال کے دارالحکومت کاٹھمنڈو میں جاری "مٹیریا ایوارڈز ماؤنٹین آرکیٹیکچر ایگزیبیشن (MaMa '26)" میں ہمالیہ اور جنوبی امریکہ کے اینڈیز پہاڑی سلسلوں کے درمیان تعمیراتی مماثلت اور ماحول دوست طرز تعمیر کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس منفرد نمائش میں نیپال اور ایکواڈور کے ایسے منصوبے پیش کیے گئے ہیں جو مقامی وسائل، قدرتی مواد اور پائیدار تعمیراتی اصولوں پر مبنی ہیں۔ نمائش میں دکھایا گیا کہ دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے پہاڑی باشندے، باوجود جغرافیائی فاصلے کے، تقریباً ایک جیسے تعمیراتی حل اختیار کرتے آئے ہیں۔ لکڑی، مٹی، پتھر اور دیگر قدرتی مواد کے ذریعے زلزلہ مزاحم، کم خرچ اور ماحول دوست عمارتیں تعمیر کی جا رہی ہیں، جو جدید دور میں پائیدار ترقی کی بہترین مثال سمجھی جا رہی ہیں۔ کاٹھمنڈو میں قائم "سسٹینیبل ماؤنٹین آرکیٹیکچر" کے بانی این فینسٹرا کے مطابق نیپال اور ایکواڈور کی جغرافیائی اور موسمی مماثلت نے دونوں خطوں میں تعمیرات کے یکساں تصورات کو فروغ دیا ہے۔ نمائش میں ایکواڈور کے شہر کیوٹو کے قریب قائم "آگاپے" یوگا اور تھراپی سینٹر، نیپال کے "سلنگے میٹرنٹی سینٹر" اور "دیومادی ماؤنٹین کاٹیج" جیسے منصوبے خصوصی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ بڑھتی ماحولیاتی تبدیلیوں، زلزلوں اور قدرتی آفات کے تناظر میں قدرتی وسائل پر مبنی محفوظ اور پائیدار تعمیرات وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ نمائش کا مقصد بھی عوام اور معماروں کو ماحول دوست اور مقامی طرز تعمیر کی طرف متوجہ کرنا ہے جبکہ نمائش ۱۵ مئی تک کاٹھمنڈو کے جھمسیکھل علاقے میں واقع (Alliance Françaisede Kathmandu) میں جاری رہے گی، جہاں عوام کے لیے داخلہ مفت رکھا گیا ہے۔

بجلی بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شاہی اور باسل کی تقرری

شفیق رضا

کاٹھمانڈو — نیپال الیکٹرکٹی اتھارٹی (NEA) کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں دو نئے اراکین کی تقرری کی گئی ہے۔

بدھ کے روز وزیر برائے توانائی، پانی کے وسائل اور آبپاشی، ویراج بھکت شریشٹھ نے ایک وزارتی سطح کے فیصلے کے ذریعے آئندہ چار سال کے لیے کاٹھمانڈو-۱۵ کے رہائشی، انشوکرن شاہی اور نارجون میونسپلٹی-۵ کے رہائشی، کرشن باسل کو مقرر کیا ہے۔

اسی طرح، اتھارٹی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اتھارٹی کے قائم مقام ایگزیکٹو ڈائریکٹر، دیرگھایو کمار شریشٹھ کو قائم مقام ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی ذمہ داری سونپی ہے۔ یہ فیصلہ بدھ کے روز وزیر توانائی شریشٹھ کی زیر صدارت اتھارٹی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اجلاس میں کیا گیا بدھ کے روز ہی وزیر توانائی شریشٹھ نے نو مقرر کردہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اراکین اور قائم مقام ایگزیکٹو ڈائریکٹر کو حلف دلایا۔

نیپال میں ڈیجیٹل نظام پر بڑھتے سوالات: حکومت کی ڈیجیٹلائزیشن مہم پر سائبر سیکیورٹی اور عوامی رازداری کے خدشات۔

نیپال اردو ٹائمز

محمد رضوان احمد مصباحی

ایک تفصیلی رپورٹ کے مطابق نیپال میں حکومت کی جانب سے تیزی سے بڑھتی ڈیجیٹلائزیشن مہم پر سنجیدہ سوالات اٹھنے لگے ہیں۔ ماہرین اور سماجی کارکنوں نے خبردار کیا ہے کہ مناسب سائبر سیکیورٹی اور ڈیٹا تحفظ کے قوانین کے بغیر مکمل ڈیجیٹل نظام ملک کو نگرانی، ڈیٹا لیک اور غیر ملکی انحصار کے خطرات سے دوچار کر سکتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وزیر اعظم Balendra Shah کی کابینہ نے ۵ اپریل کو ۱۸ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر کے قرض کی منظوری دی، جس میں ۹ کروڑ ڈالر "ڈیجیٹل نیپال ٹرانسفارمیشن پروجیکٹ" کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ اس منصوبے کے تحت شہری خدمات کے لیے ایک مربوط پورٹل، قومی سوشل رجسٹری، ڈیجیٹل لاکر، اور زمین کے ریکارڈ کی ڈیجیٹلائزیشن جیسے اقدامات شامل ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ جدید ٹیکنالوجی حکومتی خدمات کو تیز اور آسان بنا سکتی ہے، لیکن اس سے پہلے ڈیٹا کے تحفظ، شفافیت اور نگرانی کے واضح قوانین ضروری ہیں۔ کمپیوٹر سائنسدان اور تنظیم "باڈی اینڈ ڈیٹا" کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر دوون رائے نے کہا کہ ڈیجیٹلائزیشن سے پہلے یہ سوال اہم ہے کہ "عوام کے ڈیٹا کو محفوظ کیسے رکھا جائے گا؟" رپورٹ میں افریقی ممالک خصوصاً یوگنڈا، موزمبیق اور کانگو کی مثالیں دی گئی ہیں جہاں عالمی بینک کی معاونت سے بنائے گئے ڈیجیٹل شناختی نظام بعد میں نگرانی اور سیاسی مخالفین کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال ہونے لگے۔ اسی تناظر میں نیپال میں بھی خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ بائیو میٹرک ڈیٹا اور قومی شناختی معلومات کے غلط استعمال کا خطرہ موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق نیپال میں اب تک تقریباً ۹۰ لاکھ شہریوں کا بائیو میٹرک ڈیٹا جمع کیا جا چکا ہے، تاہم بڑی تعداد میں لوگوں کو ابھی تک شناختی کارڈ موصول نہیں ہوئے۔ نئی ڈیجیٹل اسکیم کے ذریعے مزید ایک کروڑ افراد کا ڈیٹا جمع کیے جانے کا امکان ہے۔ ماہرین نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ جب نیپال اپنی ٹیکنالوجی اور سافٹ ویئر کے میدان میں مکمل خودکفیل نہیں، تو غیر ملکی کمپنیوں اور قرض دہندگان پر بڑھتا انحصار ملک کی "ڈیجیٹل خودمختاری" کو متاثر کر سکتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ بعض سرکاری ادارے اب بھی عوامی نوٹس کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز استعمال کرتے ہیں، جہاں شہریوں کے شناختی نمبرز اور دیگر حساس معلومات بھی ظاہر ہو جاتی ہیں، جو رازداری کے اصولوں کے خلاف ہے۔ مبصرین کے مطابق اصل امتحان صرف ڈیجیٹل نظام قائم کرنا نہیں بلکہ عوام کے ذاتی ڈیٹا، آزادی اور پرائیویسی کو محفوظ رکھنا ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

سرہا ضلع میں کسٹم آفس کو بند کرنے کے خلاف احتجاج

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

سرحدی ضلع سرہا کے بریارپٹی میں کسٹم آفس کو دوبارہ بحال کرنے کے مطالبہ کو لے کر مقامی رہائشی اور تاجر اور سیاسی پارٹیوں کے نمائندے تحریک چلا رہے ہیں۔ اس کے تحت ہولا کی شاہراہ پر ریلی اور نکر سبھا منعقد کی گئی۔ نیپال کی بلیندر شاہ حکومت نے بھارت کی سرحد سے متصل نیپال کے ضلع سراہا میں واقع باریارپٹی چھوٹے کسٹم آفس کو بند کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حکومت نے یہ اطلاع گزٹ میں شائع کی تھی جس کی مخالفت کی جارہی ہے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس فیصلے سے سرحدی علاقے میں تجارت محصولات کی وصولی اور مقامی اقتصادی سرگرمیوں پر براہ راست اثر پڑے گا۔ مظاہرین نے ایک پریکرما ریلی کے ساتھ ایک نکڑ میٹنگ کا اہتمام کیا۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے، مدھیسی پردیش کے ایم ایل اے اور سابق وزیر سنجے یادو نے کہا کہ محصولات کی وصولی ملک کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ ہے، اور قانون کے مطابق محصول جمع کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔
عوام کو ضروری خدمات فراہم کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے کہا کہ باریارپٹی آبادی اور کاروباری سرگرمیوں کے لحاظ سے تیزی سے ترقی کرتا ہوا علاقہ ہے۔ اگر منظم طریقے سے انتظام کیا جائے تو یہ چوکی دوسری سرحدی چوکیوں سے بڑی اور محصولات کی وصولی میں رہنما بن سکتی ہے۔
انہوں نے حکومت کے فیصلے کو سیاسی انتقام اور غلط پالیسی قرار دیا۔ ایم پی یادو نے الزام لگایا کہ ایسے وقت میں جب ریاست کو خدمات کو بڑھانا چاہیے، عوام کو ان میں کمی کرکے سزا دی جارہیہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ سرہا کے عوام ایسے اقدام کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ حکومت کسٹم آفس کو بند کرکے پالیسیکرپشن کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے مظاہرین سے تحریک کو مزید مضبوط کرنے کی اپیل کی۔

دارالعلوم احمدیہ برکاتیہ سوائچ پار میں "مختارِ دو عالم کانفرنس و جلسۂ دستار بندی" کا عظیم الشان انعقاد ۲۵ مئی کو

سوائچ پار / سنت کبیر نگر
(پریس ریلیز)
دارالعلوم احمدیہ برکاتیہ، پچھم محلہ سوائچ پار، پوسٹ بلرائی، ضلع سنت کبیر نگر کے وسیع و عریض صحن میں ۷ ذوالحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۵ مئی ۲۰۲۶ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء ایک عظیم الشان اور روح پرور دینی و علمی اجلاس بعنوان "مختارِ دو عالم کانفرنس و جلسۂ دستار بندی" نہایت تزک و احتشام اور عقیدت و احترام کے ساتھ منعقد ہوگا۔
اس بابرکت جلسہ کی سرپرستی پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا سید شاہ حسنین میاں صاحب محمدی (سجادہ نشین خانقاہ خلیل پور، جھوسی شریف، الہ آباد) فرمائیں گے، جبکہ صدارت کے فرائض معروف عالمِ دین، ماہرِ علوم و فنون حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی ساجد علی صاحب مصباحی (استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ مبارکپور) انجام دیں گے۔
جلسہ میں ملک کے ممتاز علماء و خطباء اپنے علمی و فکری خطابات سے سامعین کے قلوب کو منور کریں گے، جن میں بالخصوص عمدۃ الواعظین حضرت علامہ مولانا فیضان رضا صاحب جمالی (سربراہ اعلیٰ الجامعۃ النوریہ پچپڑوا، بلرامپور) اور خطیبِ اہلسنت، مفکرِ اسلام حضرت علامہ مولانا جلال الدین صاحب مصباحی (دارالعلوم مخدوم اشرف، درگاہ رسول پور، کچھوچھہ شریف) شامل ہیں۔ افتتاحی خطاب جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے ہونہار طالب علم مولوی احسن القادری صاحب پیش کریں گے۔
نعتیہ محفل کو مزید نورانیت و روحانیت بخشنے کے لیے ممتاز شعراء و نعت خواں حضرات بھی شریک ہوں گے، جن میں شاعرِ اسلام جناب محمد سہراب صاحب قادری (کچھوچھہ شریف)، شاہکارِ ترنم جناب دانش چھپراوی صاحب، اور بلبلِ باغِ مدینہ جناب محمد سمیر رضا صاحب الہ آبادی قابلِ ذکر ہیں۔ ابتدائی نعت خوانی کا شرف جامعہ اشرفیہ کے خوش الحان طالب علم مولوی معین اشرف صاحب قادری حاصل کریں گے، جبکہ

خصوصی تلاوتِ کلامِ پاک حضرت حافظ و قاری عبد العزیز صاحب قادری فرمائیں گے۔
یہ عظیم الشان جلسہ نقیبِ اہلسنت حضرت مولانا محمد ہارون صاحب علیمی کی پُراثر نظامت، حضرت مولانا محمد رضوان صاحب علیمی مصباحی کی معاونت، اور حضرت حافظ و قاری اسرار احمد صاحب تنویری کی نگرانی میں منعقد ہوگا۔
دارالعلوم احمدیہ برکاتیہ و جامعۃ البنات البرکاتیہ کے بانی و مہتمم، مکارم الاخلاق حضرت مولانا اختر القادری صاحب نے بتایا کہ دارالعلوم احمدیہ برکاتیہ کے اساتذۂ کرام بالخصوص حضرت مولانا شاہد رضا صاحب مصباحی، حضرت مولانا سلام الدین صاحب مصباحی، عالی جناب ماسٹر محمد کلیم صاحب اور ماسٹر محمد سعید صاحب کی کاوشوں سے یہ پروگرام نہایت وسیع پیمانے پر منعقد کیا جارہا ہے۔ ادارہ کے ذمہ داران و اراکین نے قرب و جوار کے تمام مسلمانانِ اہلِ سنت سے پُرزور اپیل کی ہے کہ اس بابرکت اور ایمان افروز دینی پروگرام میں کثیر تعداد میں شرکت فرما کر علم و عمل کی برکتیں حاصل کریں اور جلسہ کو کامیاب بنائیں۔
مذکورہ اطلاع دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر، راجستھان کے ناظم تعلیمات ادیب شہیر حضرت مولانا محمد شمیم احمد صاحب نوری مصباحی نے پریس ریلیز کے ذریعہ دیا۔

جامعہ غوثیہ احسن البرکات کاٹھمانڈو میں حجاج کرام کے لیئے مجلس استقبالیہ

کاٹھمانڈو نیپال اردو ٹائمز
ممتاز احمد علیمی بیورو رپورٹ
جامعہ غوثیہ احسن البرکات یہ ملک نیپال کا نہایت ہی قدیم ادارہ ہے جو نیپال کی راجدھانی شہر کاٹھمانڈو میں واقع ہے یہ ادارہ اپنے آپ میں منفرد المثال ہے جو تقریباً تین دہائیوں سے دین متین کی خدمت انجام دے رہا ہے یہ جامعہ محتاج تعارف نہیں ہے جامعہ اپنی کارکردگی اور جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلبہ و اراکین کے حسن اخلاق کی وجہ سے پورے ملک نیپال اور پڑوسی ملک انڈیا و دیگر ممالک کے بہت سارے خطوں میں متعارف ہے
جامعہ ہذا میں ۱۰ مئی ۲۰۲۶ بروز اتوار ایک استقبالیہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا یہ پروگرام کوئی عام پروگرام نہیں تھا یہ پروگرام اپنے آپ میں منفرد تھا کیونکہ یہ پروگرام کسی عام انسان کے استقبال کے لیئے نہیں تھا بلکہ ایسے انسان کے استقبال کے لئے تھا جو مہمان کعبہ بننے والے ہیں جو مہمان مدینہ بننے والے ہیں یعنی جن کو حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہونے والی ہے وہ کعبہ اور کعبے کے کعبہ کی زیارت کرنے والے ہیں وہ حج مبرور سے سرفراز ہونے والے ہیں وہ حج مبرور جس کے بارے میں نبی کریم صل اللہ علیہ والہ نے فرمایا کہ اس کا بدلہ صرف جنت ہے ایک جگہ اور نبی کریم صل اللہ نے فرمایا کہ یہ گناہوں کو ایسے دھو دیتا جیسے پانی میل کو ایک مرتبہ حضور اکرم صل اللہ علیہ والہ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ عمل میں سب سے افضل کونسا عمل ہے آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا پھر کون سا. فرمایا جہاد. پوچھا گیا پھر کون سا فرمایا حج مبرور. حج اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے جس کی فضیلت احادیث مبارکہ میں کثرت سے وارد ہے اس پروگرام کی صدارت و سرپرستی اس جامعہ کے ناظم اعلی ہمارے مشفق و کرم فرما حضرت علامہ و مولانا مشتاق رضا شمسی نے فرمائی اس پروگرام کا آغاز تلاوت کلام اللہ سے ہوا اس کے بعد اس ادارہ کے ایک مؤقر استاذ مولانا عامر رضا علیمی نے نقابت کے فرائض کو انجام دیتے ہوئے جامعہ کے ایک ہونہار طالب علم حافظ غلام احمد رضا کو نعتیہ کلام پیش کرنے کے لیئے دعوت سخن دیا بعدا موجودہ مہمان حضرات کی یکے بعد دیگرے مختصر کلمات کے ساتھ حاضری ہوئی سبھوں نے اپنا بہترین تاثرنامہ پیش کیا اس کے بعد اس جامعہ کے اساتذہ اور اراکین نے مل کر موجودہ مہمان حضرات کی گل پوشی فرمائی اس کے بعد صلاۃ و سلام پڑھ کر سید صاحب کی دعاء پر محفل کا اختتام کر دیا گیا اس پروگرام میں بہت سارے سیاسی و سماجی لیڈران نے شرکت فرمائی اس پروگرام کے خاص مہمان راشٹریہ علماء کونسل نیپال کے صدر حضرت علامہ و مولانا الحاج سید غلام حسین مظہری دام ظلہ علینا اور ان کے استقبال کے لئے موجودہ سانسد و سابق شرم منتری جناب اشتیاق انصاری و موجودہ سانسد جناب طاہر علی صاحب و سابق سانسد جناب سراج احمد فاروقی صاحب و سابق سی ڈی او جناب لال بابو و ادارہ کے صدر اعلیٰ جناب شمس الدین صاحب. و سکریٹری الحاج محمد علاء الدین صاحب و ممبر جناب محمد یونس صاحب اور اور ادارہ ہذا کے اساتذہ خصوصاً مولانا محمد ظفر الدین مرکزی و مولانا عامر رضا علیمی و قاری معراج احمد و قاری طارق رضا و حافظ شمشاد الرضوان و ماسٹر سلامت حسین و ماسٹر اعجاز وغیرہم بھی شریک رہے.
خادم جامعہ غوثیہ احسن البرکات کاٹھمانڈو نیپال

ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی حج بیت اللہ کے لیے روانہ

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز
ہندوستان کے مشہور و معروف اسلامی اسکالر ماہر زبان و بیان ادیب شہیر حضرت علامہ ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی حفظہ اللہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے روانگی سے قبل عروس البلاد ممبئی میں ان کے ادارے کی جانب سے پروقار تقریب رکھی گئی۔
ادارے کے صدر المدرسین حضرت علامہ مفتی محمد طیب علیمی صاحب نے بتایا کہ یہ مبارک تقریب دو اہم اور مسرت انگیز مناسبتوں کے پیشِ نظر منعقد کی گئی؛ ایک مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی صاحب قبلہ کے سفر حج کی سعادت، دوسری ادارۂ ہذا کے بابرکت افتتاح کی خوشی۔ اس موقع پر علماءِ کرام، معزز مہمانان، طلبہ اور اساتذہ کی شرکت رہی.
خصوصی خطاب کرتے ہوئے عصر حاضر کے تناظر میں اور حالات کے تقاضوں کے مطابق جامعۃ العلیم کے منشور اور اس کے اغراض و مقاصد پر مؤثر انداز میں ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی نے روشنی ڈالی اور ادارے کے ذمہ داران کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو دینی خدمات اور اصلاحِ معاشرہ کا عظیم مرکز بنائے۔ تقریب کے اختتام پر ملک و ملت کی فلاح، ادارے کی ترقی اور حجاجِ کرام کے سفر کی قبولیت کے لیے اجتماعی دعا کی گئی۔ بعد ازاں مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام بھی کیا گیا. قبلہ ڈاکٹر صاحب کے سفر حج کے موقع پر ان کے آبائی وطن جانکی نگر گونڈہ میں بھی محفل پاک کا انعقاد کیا گیا جس میں گونڈہ کی عظیم سیاسی و سماجی شخصیت حضرت قاری معراج احمد خان رضوی و دیگر علاقائی علمائے کرام و مشائخ عظام نے شرکت کی اللہ تعالیٰ حضرت کو حج مبرور عطا فرمائے دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی کا ناظمہ ٹاور گونڈہ میں پرزور استقبال

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز
گونڈہ یوپی انڈیا
عالمی شہرت یافتہ اسلامک اسکالر ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی سفر حج پر روانہ ہوئے روانگی سے قبل ان کے آبائی وطن شہر گونڈہ کی عظیم سیاسی و سماجی شخصیت قاری معراج قادری نے شال اور گلدستہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ کا پرزور استقبال کیا۔
قاری معراج قادرہ صاحب ضلع گونڈہ کے مشہور و معروف ملی فلاحی اور رفاہی شخصیت ہیں آپ نہ صرف علما کی قدر کرتے ہیں بلکہ اپنی سرگرمیوں سے ہمیشہ سرخیوں میں رہا کرتے ہیں
قبلہ ڈاکٹر صاحب کی آمد کی خبر ملتے ہی قاری معراج قادری صاحب نے اپنے رفقا کے ساتھ ناظمہ ٹاور کے آفس میں پرجوش انداز میں حضرت کا اسقتبال کیا۔
اس کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب کو ضلع گونڈہ کے مرکزی ادارہ دھانے پور کے لیے اپنے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے جہاں اولاد غوث اعظم جانشین حضور مخدوم سمناں (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت علامہ سید خلیق اشرف اشرفی الجیلانی حفظہ اللہ سے ملاقات کی یہ کارواں ناظمہ ٹاور سے ہوتے ہوئے دھانے پور کے بعد جامعہ مینائیہ گونڈہ پہونچا جہاں علمائے کرام سے ملاقات کا سلسلہ چلتا رہا وہاں سے ہوکر علمائے کرام سے ملاقات کے بعد یوپی کی دارالحکومت لکھنو میں جامعہ حنفیہ ضیا القران لکھنو میں حضرت قاری ذاکر صاحب قبلہ، محمد ابرار خان اور حضرت قاری ایوب صاحب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جہاں قبلہ ڈاکٹر صاحب کا شایان شان استقبال کیا گیا۔ قاری معراج قادری صاحب کے رفقا میں حضرت مولانا توصیف رضا علیمی صاحب، حضرت حافظ فریاد علی صاحب، حافظ عبد القدوس صاحب، مولانا سلمان خان علیمی صاحب، مولانا اعظم چشتی صاحب اور قدیر احمد وغیرہ شامل رہے۔
حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب سے قاری معراج صاحب بے انتہا محبت کرتے ہیں قاری معراج صاحب شہر گونڈہ کے سیاسی حلقوں میں کافی مشہور و معروف ہیں اپنی بصیرت سے ہمیشہ عوام اہلسنت کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں
اللہ کریم حضرت قاری معراج صاحب کے علم و عمل اور مال و دولت میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔ اس موقع پر نیپال اردو ٹائمز ادارتی ٹیم کی جانب سے سلطان الاساتذہ کی بارگاہ میں ہدیہ تبریک پیش ہے۔۔۔۔

حضرت مولانا حافظ ابرار احمد علیمی علیگ صاحب نے لی نئی کار

پریس ریلیز
نیپال اردو ٹائمز
مہراجگنج بھارت
کہتے ہیں کہ کوشش کرنے والوں کی کبھی ہار نہیں ہوتی، خلوص وللّٰہیت سے جو لوگ اپنے کام کو انجام دیتے ہیں تو غیب سے ان کی مدد بھی کی جاتی ہے حضرت مولانا حافظ محمد ابرار احمد علیمی علیگ جو ہندوستان کی عربی یونیورسٹی جامعہ علیمیہ جمدا شاہی کے قابل فخر فرزند ہیں دارالعلوم علیمیہ سے فراغت کے بعد آپ نے عصری تعلیم کی جانب قدم بڑھایا اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اترپردیش میں عصری تعلیم سے پیاس بجھائی، وقت کے ساتھ چلنا کوئی حافظ صاحب قبلہ سے سیکھے جب دینی تعلیم میں قدم رکھے تو اپنی مثال آپ تھے، مسکرا کر ملنا، پریشان طلبہ کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کے ساتھ ان کی ذہن سازی کرنا، اور بگڑے ہوئے ماحول کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتے رہے اور جب یونیورسٹی کی دنیا میں گئے تو وہاں بھی اپنے علم و ہنر سے ہر طرف روشنی بکھیرنے میں کوئی کمی نہ کی۔
حافظ ابرار احمد علیمی کو آج نئی گاڑی لینے پر علیمی برادران نے دل کھول کر مبارکباد پیش کی خاص کر ان کے رفقا جو ۲۰۱۲ کے فارغین علیمیہ ہیں، مفتی ابو زہرہ علیمی مصباحی، مولانا ظفر اشتیاق، مولانا فخر الدین علیمی، مفتی بدر الدین علیمی، مولانا فیض الحسن علیمی مصباحی وغیرہ۔ رپورٹ نیپال اردو ٹائمز بیورو

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

اداریہ

Editorial

عوامی اعتماد اور حکومتی طرزِ عمل!!!!

ایڈیٹر کے قلم سے-----

نیپال نام سنتے ہی اب پوری دنیا نیپال زین جی مظاہروں میں شہدا کی بحث شروع کر دیتی ہے، اور یہ پیغام دیتی ہے کہ جب ملک کے حکمران عوام کے حقوق کو پامال کرنے لگیں اور ملک کی معیشت اور بے روزگاری کی جانب کوئی توجہ نہ دیں پھر تو ایسی صورت میں حکومت کو زین جی مظاہروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حکومت کا تختہ پلٹ ہو جاتا ہے، ملک اس وقت ایک ایسے نازک مگر اہم دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سیاسی فیصلے، ریاستی اداروں کا توازن اور عوامی توقعات ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ حالیہ دنوں حکومتی پالیسیوں، ادارہ جاتی اختیارات اور آئینی عمل داری کے حوالے سے جو بحث چھڑی ہے، اس نے نہ صرف سیاسی حلقوں بلکہ عام شہریوں میں بھی تشویش کی فضا پیدا کی ہے۔ ایک جمہوری معاشرے کی اصل طاقت اس کے مضبوط ادارے، شفاف طرزِ حکمرانی اور قانون کی بالادستی میں مضمر ہوتی ہے، اور جب ان اصولوں پر سوالات اٹھنے لگیں تو یہ صورت حال سنجیدہ غور و فکر کی متقاضی بن جاتی ہے۔

جمہوریت محض انتخابات کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مسلسل عمل ہے جس میں حکومت، پارلیمان، عدلیہ، میڈیا اور سول سوسائٹی سب اپنا متوازن کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر کسی بھی سطح پر اختیارات کا ارتکاز بڑھنے لگے یا مشاورت اور احتساب کا دائرہ محدود ہونے لگے تو اس کے اثرات پورے سیاسی نظام پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باشعور طبقات تسلسل اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ حکومتی فیصلے آئینی دائرے اور شفاف طریقۂ کار کے مطابق کیے جائیں تاکہ عوام کا اعتماد برقرار رہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ملک کو اس وقت معاشی دباؤ، بے روزگاری، مہنگائی اور ترقیاتی چیلنجز جیسے سنگین مسائل کا سامنا ہے۔ ایسے میں حکومت کی اولین ترجیح عوامی فلاح، بہتر حکمرانی اور قومی استحکام ہونی چاہیے۔ سیاسی کشیدگی، الزام تراشی اور غیر ضروری محاذ آرائی نہ صرف ترقی کی رفتار کو متاثر کرتی ہے بلکہ عوام میں مایوسی کو بھی جنم دیتی ہے۔ ریاستی قوت کا استعمال ہمیشہ آئینی حدود کے اندر اور عوامی مفاد کے تابع ہونا چاہیے، کیونکہ جمہوریت کی بقا طاقت کے اظہار میں نہیں بلکہ برداشت، مکالمے اور جوابدہی میں پوشیدہ ہے

دوسری جانب عالمی سطح پر جاری جنگوں، انسانی بحرانوں اور بے گھری کے بڑھتے ہوئے واقعات بھی دنیا کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں، ایسے حالات میں چھوٹے اور ترقی پذیر ممالک کے لیے داخلی استحکام اور قومی یکجہتی کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام سیاسی قوتیں ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دیں، اختلافِ رائے جمہوریت کا حسن ہے، مگر یہ اختلاف دشمنی میں تبدیل نہ ہو۔ حکومت ہو یا اپوزیشن، سب کو یہ احساس کرنا ہوگا کہ عوام نے انہیں خدمت، دیانت اور استحکام کے لیے منتخب کیا ہے، نہ کہ باہمی کشمکش کے لیے۔

اگر ریاستی ادارے آئین و قانون کے مطابق اپنی ذمہ داریاں ادا کریں، سیاسی قیادت تدبر اور بردباری کا مظاہرہ کرے اور عوامی اعتماد کو مقدم رکھا جائے تو یقیناً Nepal ایک مضبوط، مستحکم اور ترقی یافتہ مستقبل کی جانب بڑھ سکتا ہے۔ یہی وقت کا تقاضا بھی ہے اور قومی ضرورت بھی۔

نیپال کا ٹریفک قانون: انصاف یا ظلم

دنیا کے ہر ملک میں ٹریفک قوانین کا مقصد عوام کی حفاظت اور انصاف کی فراہمی ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی کوئی قانون اپنی نیت میں نیک ہونے کے باوجود عملی زندگی میں ایسے بھیانک نتائج پیدا کرتا ہے جن کا تصور بھی قانون سازوں نے نہ کیا ہو، نیپال کا ایک معروف ٹریفک قانون، جو حادثے میں زندہ بچ جانے والے شخص کے تمام اخراجات ڈرائیور پر ڈالتا ہے، آج کل سنگین اخلاقی اور قانونی بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ یہ قانون ایک طرف متاثرین کو تحفظ دینے کی کوشش کرتا ہے، تو دوسری طرف یہی قانون انسانی جانوں کے ضیاع کا سبب بن رہا ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ دونوں طرف سے استحصال ہو رہا ہے۔

نیپال کی سڑکوں کا خوفناک منظر: اعداد و شمار

اس پوری بحث کو سمجھنے کے لیے پہلے نیپال کی سڑکوں کی صورتحال کا جائزہ لینا ضروری ہے،

نیپال میں روزانہ اوسطاً ۷۵ سڑک حادثے ہوتے ہیں اور تقریباً ۷ افراد لقمہ اجل بنتے ہیں، مالی سال ۲۰۲۵/۲۰۲۶ میں نیپال پولیس کے اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں ۲۸۶۹۲ سڑک حادثوں میں ۲۵۳۹ افراد ہلاک اور ۶۹۷۶ شدید زخمی ہوئے، تاہم عالمی ادارہ صحت کا اندازہ ہے کہ اصل اموات تقریباً ۸۰۰۰ سالانہ ہو سکتی ہیں کیونکہ بہت سے واقعات رپورٹ ہی نہیں ہوتے۔

گزشتہ پانچ سالوں (۲۰۱۹ تا ۲۰۲۴) میں ۱۲۵۴۲ افراد سڑک حادثوں میں ہلاک اور ۲۹۷۲۹ شدید زخمی ہوئے، گزشتہ ایک دہائی میں ۲۴۰۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور ۵۰۰۰۰ سے زیادہ زخمی ہوئے۔

نیپال کی سڑک حادثات کی شرح اموات فی ایک لاکھ آبادی ۲۸ء۲ ہے، جو ایشیا پیسفک کی اوسط ۱۵ء۲ سے تقریباً دوگنی ہے، ایشیا میں نیپال آٹھویں نمبر پر ہے، سڑک حادثوں سے ہونے والی اموات قدرتی آفات سے پانچ گنا زیادہ ہیں، گزشتہ پانچ سالوں میں جہاں سڑک حادثوں میں ۱۲۳۷۱ اموات ہوئیں، وہیں تمام قدرتی آفات میں صرف ۲۳۰۳ اموات ریکارڈ کی گئیں، عالمی بینک کا اندازہ ہے کہ سڑک حادثے نیپال کی جی ڈی پی کا ۱۵ء سے ۲ فیصد نقصان کرتے ہیں۔

قانون کیا کہتا ہے؟

نیپال کے موٹر وہیکل اینڈ ٹرانسپورٹ مینجمنٹ ایکٹ ۱۹۹۳ (دفعہ ۱۶۱) کے تحت سزاؤں کا ڈھانچہ تین حصوں میں تقسیم ہے:

دفعہ ۱۶۱(۱) کے تحت جان بوجھ کر قتل کرنا عمر قید کا سبب بن سکتا ہے۔ دفعہ ۱۶۱(۲) کے تحت لاپروائی سے گاڑی چلانے کے نتیجے میں ہونے والی موت پر ۳ سے ۱۰ سال قید کی سزا ہے۔ دفعہ ۱۶۱(۳) کے تحت غیر ارادی حادثے میں موت پر ایک سال تک کی قید ہو سکتی ہے، لیکن اصل پیچیدگی یہ ہے کہ اگر متاثرہ شخص زندہ بچ جائے تو ڈرائیور یا گاڑی کے مالک پر اس کے علاج اور بسا اوقات تاحیات اخراجات کا بوجھ پڑ سکتا ہے، یہی وہ شق ہے جو انسانی رویے کو ایک خوفناک سمت میں موڑ دیتی ہے۔

جان بوجھ کر قتل: ایک انسانی المیہ

اس قانون کا سب سے تاریک پہلو وہ رویہ ہے جو یہ ڈرائیوروں میں پیدا کرتا ہے، نیپال کی عدالتوں اور تفتیشی اداروں کے ریکارڈ میں ایسے واقعات موجود ہیں جہاں حادثے کے بعد زخمی شخص کو بچانے کی بجائے اس پر گاڑی چڑھا دیا گیا اور بے دردی سے اسکو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، مالی سال ۲۰۲۴/۲۵ میں ملک بھر کی ضلعی عدالتوں میں گاڑی سے قتل کے ۵۰۲۶ مقدمات درج ہوئے، اٹارنی جنرل کے دفتر نے ۲۸۲۶ ایسے مقدمات دائر کرنے کا فیصلہ کیا جن میں ۳۵۴۷ ملزمان نامزد کیے گئے، گاڑی سے قتل کا جرم ملک میں سرکاری وکلاء کی طرف سے دائر کیے جانے والے ٹاپ ۱۰ مجرمانہ مقدمات میں چھٹے نمبر پر ہے۔

راشد سیف اللہ مدینہ منورہ

ہٹ اینڈ رن کے واقعات جو اکثر اسی خوف سے ہوتے ہیں، کے اعداد بھی چونکا دینے والے ہیں:

میٹروپولیٹن ٹریفک پولیس ڈویژن کے اعداد کے مطابق میں ۳۳۸، ۲۰۱۶_۲۰۱۷ میں ۶۱۲، اور ۲۰۱۷_۲۰۱۸ میں ۶۳۰ ہٹ اینڈ رن مقدمات درج ہوئے یعنی صرف تین سال میں تقریباً دوگنا اضافہ، مہلک ہٹ اینڈ رن حادثات کے تقریباً ۹۵ فیصد متاثرین موٹرسائیکل سوار یا پیدل چلنے والے ہیں، نیپال کے وزارت نقل و حمل کے سابق سیکریٹری تولسی پرساد سیتولا نے کہا کہ ڈرائیوروں کو ملنے والی خصوصی سہولیات نے انہیں جان بوجھ کر حادثہ کروانے اور زخمی کو ختم کرنے کی جرأت دی ہے۔

دوسرا رخ: معاوضے کا کاروبار

دیہات کی تنگ گلیوں اور پتلی سڑکوں میں جہاں بچے بے فکری سے کھیلتے ہیں اور جانور آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں، وہاں معمولی ٹریفک حادثات ایک خوفناک سماجی المیہ بن جاتے ہیں؛ ذراسی چوٹ یا خراش کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ حقیقت پس منظر میں چلی جاتی ہے اور ہجوم کا غصہ انصاف پر غالب آجاتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص کا قصور بھی ثابت نہیں ہوتا، اسے بے دردی سے مارا پیٹا جاتا ہے، پھر پولیس کے حوالے کر کے اس پر جھوٹے الزامات لگا دیے جاتے ہیں، اور اس کے بعد ایک ظالمانہ کھیل شروع ہوتا ہے جس میں غیر ضروری علاج، ہسپتال کے بڑھا چڑھا کر بنائے گئے بل، اور لاکھوں روپے کے ناجائز مطالبات اس کے سر تھوپ دیے جاتے ہیں، یہی ظلم میرے دوست قاری فیاض عرفانی کے ساتھ بھی ہوا، جو ایک زخمی شخص کی مدد کے لیے رکے تھے مگر الٹا انہی پر الزام لگا کر ان سے بھاری رقم وصول کی گئی، اسی طرح منا بھائی کے بیٹے کو بھی ایک معمولی حادثے کے بعد اسی جبر اور لالچ کا نشانہ بنایا گیا، یوں ایک بے گناہ انسان نہ صرف جسمانی اذیت سہتا ہے بلکہ ذہنی کرب، بے خوابی اور شدید پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ سب ایک ایسے معاشرتی رویے کی عکاسی کرتا ہے جو ہمدردی اور انصاف کے بجائے ظلم، لالچ اور اجتماعی ناانصافی پر قائم ہے۔

قانون کی جڑ میں تین بنیادی خرابیاں

اس پوری صورتحال کا تجزیہ کریں تو تین بنیادی خرابیاں سامنے آتی ہیں:

پہلی خرابی یہ ہے کہ قانون میں تناسب کا فقدان ہے، ہر حادثہ یکساں نہیں ہوتا، کوئی لاپروائی سے ہوتا ہے، کوئی اتفاقاً، کوئی خود متاثرہ شخص کی غلطی سے، لیکن ذمہ داری کا سارا بوجھ ایک فریق پر ڈالنا عدل کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

دوسری خرابی سرکاری صحت اور بیمہ نظام کی کمزوری ہے، نیپال کے بڑے سیاسی جماعتوں نے اپنے منشوروں میں سڑک حادثات کے لیے خصوصی عدالت، بہتر معاوضہ نظام اور ڈرائیوروں کی تربیت کے وعدے کیے، لیکن آج تک ان میں سے کچھ بھی پوری طرح نافذ نہیں ہوا۔

تیسری خرابی عدالتی نظام کی نرمی ہے، سپریم کورٹ کے ایک اہم فیصلے میں ریکارڈ کیا گیا کہ نیپال میں کوئی ڈرائیور چاہے کتنی بھی جانیں لے لے، نہ اس کا لائسنس منسوخ ہوتا ہے اور نہ اس پر کوئی بڑا مالی بوجھ پڑتا ہے۔

قانون میں اصلاح کیسے ممکن ہے؟

ایک منصفانہ قانون وہ ہوتا ہے جو نہ صرف متاثرہ کو انصاف دے بلکہ ذمہ دار فریق کو بھی ایسی سزا دے جو انسانی فطرت کو ظلم پر مجبور نہ کرے۔

بالن سرکار سے چند ٹھوس تجاویز

ذمہ داری کا تعین حادثے کی نوعیت اور قصوروار فریق کے مطابق ہو، ایک لازمی ٹریفک انشورنس سکیم متعارف کروائی جائے جو حادثے کے اخراجات پورے کرے تاکہ ڈرائیور پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ پڑے، معاوضے کی رقم کی ایک منطقی حد مقرر کی جائے تاکہ جھوٹے دعوؤں پر قابو پایا جا سکے، حادثے کے بعد زخمی کو مدد نہ کرنا یا اسے مزید نقصان پہنچانا ایک الگ اور سنگین جرم قرار دیا جائے، اور اس سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۲۱ دن کی وہ غیر عملی شق فوری طور پر ختم کی جائے جو قانون کو مذاق بنا دیتی ہے۔

خاتمہ

نیپال کا یہ قانون ایک ایسے سماجی المیے کی عکاسی کرتا ہے جہاں نیک نیتی سے بنائے گئے قوانین بھی غلط نتائج دے سکتے ہیں جب وہ زمینی حقائق اور انسانی نفسیات سے ہم آہنگ نہ ہوں، نیپال کے قومی انسانی حقوق کمیشن نے اپنی سالانہ رپورٹ ۲۰۲۴_۲۰۲۵ میں صاف لکھا ہے کہ حکومت کی ناکافی گاڑی انتظامی ریگولیشن کی وجہ سے شہری اپنے زندگی کے بنیادی حق سے محروم ہو رہے ہیں، جب قانون کی وجہ سے کوئی بے بس انسان سڑک پر چیختا ہوا دم توڑے، اور دوسری طرف کوئی چالاک شخص معمولی خراش کو کروڑوں کا کاروبار بنائے، تو یہ صرف قانون کی ناکامی نہیں، یہ پورے نظامِ انصاف کی ناکامی ہے، وقت آ گیا ہے کہ نیپال کی حکومت اس قانون پر سنجیدگی سے نظر ثانی کرے اور ایک ایسا نظام بنائے جو واقعی انصاف کا ترجمان ہو، نہ کہ ظلم کا پردہ۔

راشد سیف اللہ
مدینہ منورہ

حماس کے ہتھیار اور غزہ کا مستقبل

تحریر:
اللہ نواز خان
allahnawazk012@gmail.com

غزہ اور اسرائیل کے درمیان باقاعدہ جنگ سات اکتوبر ۲۰۲۳ کو شروع ہوئی۔ جنگ نے غزہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ رپورٹس کے مطابق بہتر ہزار (۷۲۰۰۰) سے زائد فلسطینی شہید ہو چکے ہیں اور لاکھوں زخمی ہوئے ہیں۔ لاکھوں افراد بے گھری کا عذاب برداشت کر رہے ہیں۔ غزہ میں نظام زندگی بہت متاثر ہوا ہے۔ جنگ بندی کے معاہدے ہوئے لیکن مکمل طور پر جنگ کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ اب عارضی جنگ بندی ہے لیکن پھر بھی اسرائیل کے غزہ پر حملے جاری ہیں۔ ۲۰۲۵ میں جنگ بندی کے جشن منائے گئے لیکن ابھی تک جنگ بندی کی صورتحال انتہائی غیر مستحکم ہے۔ آٹھ مئی ۲۰۲۶ کو فضائی حملے میں نو (۹) فلسطینی شہید اور انتالیس (۳۹) زخمی ہو گئے۔ صورتحال اب بھی سنگین ہے اور فلسطینی مشکل حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔ عارضی معاہدوں کے باوجود بھی اسرائیل کی طرف سے حملے کیے جا رہے ہیں۔ حملوں کی ذمہ داری دونوں فریق ایک دوسرے پر ڈال رہے ہیں، لیکن غزہ کی کمزور صورتحال کے باعث یہ سمجھنا آسان ہے کہ جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کون کر رہا ہے؟ بے گھر فلسطینی اپنے گھروں کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں، لیکن بدتر صورتحال کی وجہ سے لوٹنا مشکل ہے۔ تباہ شدہ گھر رہائش کے قابل نہیں رہے، لیکن فلسطینی اپنے گھروں کی جگہ پر ٹینٹس لگا کر بھی رہائش رکھنا چاہتے ہیں۔ پانی، خوراک، بجلی، ادویات سمیت تمام ضروریات کی قلت ہے۔ امدادی سامان فلسطینیوں تک پہنچنا انتہائی مشکل بنا دیا گیا ہے۔ اسرائیل اب جنگ بندی اپنی شرائط کے مطابق کرنا چاہتا ہے۔ اسرائیل سب سے بڑا یہ مطالبہ یہ کر رہا ہے کہ حماس کو مکمل طور پر غیر مسلح کر دیا جائے۔ نیز یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ سیاسی اور اقتصادی نظام بھی اسرائیل کے کنٹرول میں ہو۔ اصل میں حماس کا مکمل خاتمہ اسرائیل کے مشن میں ہے۔ حماس اگر غیر مسلح ہوتی ہے تو اس کا نقصان بہت زیادہ ہوگا۔

حماس ایک عوامی تنظیم ہے اور فلسطینیوں کا تحفظ کر رہی ہے۔ اسرائیل کی طرف سے وارننگ دی گئی ہے کہ اگر حماس غیر مسلح نہ ہوئی تو جنگ دوبارہ شروع ہو سکتی ہے۔ ۲۰۲۶ کے اوائل میں امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے حماس کو غیر مسلح کرنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دی گئی۔ حماس نے اس مطالبے کو یکسر مسترد کر دیا۔ کچھ دن پہلے حماس کے عسکری ونگ کے ترجمان ابو عبیدہ کہہ چکے ہیں کہ ان کی تنظیم غیر مسلح ہونے سے متعلق منصوبے کو مسترد کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ثالثوں کے ذریعے یہ تجویز دینا اسرائیل کی ایک خطرناک سازش ہے، جس کا مقصد وہ حاصل کرنا ہے جو عسکری طور پر حاصل نہیں کر سکا۔ ابو عبیدہ کے بیانات ریکارڈ پر موجود ہیں کہ وہ کسی صورت میں ہتھیار نہیں ڈالنا چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسرائیل اپنے مقصد میں مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حماس سے زبردستی ہتھیار لیے جائیں گے۔ حماس کا موقف ہے کہ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ حماس ایک مزاحمتی تحریک بھی ہے اور اسرائیل کے ساتھ کافی عرصہ سے برسرپیکار ہے۔ حماس اگر ہتھیار ڈال دیتی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ اسرائیل کا غزہ پر مکمل کنٹرول ہو گیا ہے۔ یہ تو واضح ہے کہ زیادہ عرصے تک جنگ لڑنے کے بعد بھی حماس اپنی مضبوطی ثابت کر رہی ہے۔ اسرائیل ایک فریق کے طور پر حماس کو تسلیم کر رہا ہے۔ حماس کی طرف سے یہی کہا جا رہا ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی غیر مسلح نہیں ہوگی۔ اب اگر مکمل جنگ بندی ہو جاتی ہے تو حماس غزہ کو بہتر طریقے سے سنبھال سکتی ہے۔ حماس انتظامی امور، سیکورٹی مسائل، کرنسی سمیت دیگر مسائل کو بہتر طور پر حل کر سکتی ہے کیونکہ اس جماعت کو عوامی حمایت حاصل ہے۔ کچھ فلسطینی یہ سمجھتے ہیں کہ ہتھیار ڈال دینے چاہیے تاکہ امن آ سکے۔ برسوں سے جاری رہنے والی جنگ سے بہت زیادہ نقصان ہو چکا ہے، لیکن اگر اسرائیل کا غیر مسلح ہونے کا مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا ہے تو حالات مزید خراب ہو جائیں گے۔ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں مزاحمتی تحریک ختم ہو جائے گی کیونکہ صرف حماس ہی مزاحمت کر رہی ہے۔ وارننگ دی گئی ہے کہ ہتھیار نہ ڈالنے کی صورت میں رفح کراسنگ، امدادی ٹرکس اور تعمیر نو سب متاثر ہوں گے۔ جنگ بندی اگر مکمل بھی ہوتی ہے تو غزہ کی تعمیر نو کے لیے کافی سرمائے کی ضرورت ہوگی۔ غزہ کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ مکمل طور پر جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔ عالمی برادری اسرائیل پر دباؤ ڈالے کہ جنگ بند ہو جائے۔

اسرائیل کی طرف سے بڑے فوجی آپریشن کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، لیکن حماس نے دھمکیوں کو مسترد کر دیا ہے۔ ویسے بھی جنگ مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی کیونکہ غزہ کے مختلف علاقوں میں دھماکے سنائی دے رہے ہیں۔ اگر جنگ دوبارہ شروع ہو جاتی ہے تو بہت بڑا انسانی بحران پیدا ہو جائے گا۔ لاکھوں انسان ہلاک ہو سکتے ہیں۔ غزہ جنگ کوئی علاقائی تنازع نہیں بلکہ پورے خطے کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ نسل انسانی کو بچانے کے لیے فوری طور پر جنگ بندی ضروری ہے۔ اپنی سلامتی کے لیے ہتھیار رکھنا حماس کا حق ہے اور اس حق سے محروم رکھنا ظلم ہے۔ غزہ میں اسپتال، تعلیمی ادارے، عبادت گاہیں، بینک اور دیگر عمارتیں تباہ ہو چکی ہیں، ان کی فوری تعمیر ضروری ہوگی۔ مسلسل بمباری، نقل مکانی اور قتل عام وغیرہ نے فلسطینیوں پر نفسیاتی اثرات بھی ڈالے ہیں، جس کی وجہ سے ڈپریشن اور نفسیاتی مسائل بڑھ گئے ہیں، ان کا علاج بھی ضروری ہے۔ اسلامی ریاستیں فوری طور پر غزہ کو فنڈز بھی مہیا کریں تاکہ غزہ کی تعمیر نو فوری طور پر شروع ہو سکے۔ دنیا بھر کی بہت سی یونیورسٹیوں اور تعلیمی درسگاہوں میں احتجاج بھی ہوئے ہیں اور یہ احتجاج ثابت کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ افراد امن چاہتے ہیں۔ اگر جنگ کا اختتام نہ ہوا تو بہت سے نوجوانوں اور بچوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ ایک سنجیدہ سوال ہے کہ اگر جنگ بندی نہ ہوئی تو آنے والی نسلیں کس مستقبل کا سامنا کریں گی؟ امن ہی واحد راستہ ہے جو آنے والی نسلوں کو ایک بہترین مستقبل دے سکتا ہے۔

خصوصی کالم برائے مراسلات

معزز قارئین کرام: السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ نیپال اردو ٹائمز ہمالیہ کی وادیوں سے اردو صحافت کا روشن مینار ہے جس کے ذریعے سے ملک نیپال میں اردو صحافت کو فروغ دینے کے لیے ہماری ٹیم سرگرم عمل ہے، قارئین حضرات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اخبار کو پڑھیں اور اپنی آرا ہمیں ارسال فرما کر شکریہ کا موقع فراہم کریں۔
+9779701714929

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

نیپال کے مدارس کی قانونی حیثیت اور مستقبل کا لائحۂ عمل

ڈاکٹر سلیم انصاری

نیپال میں مدارس صرف دینی تعلیم کے مراکز نہیں بلکہ مسلم سماج کی مذہبی، تہذیبی اور سماجی شناخت کے اہم ستون ہیں۔ ملک بھر میں اندازاً ۲۵۰۰ مدارس موجود ہیں جن میں سے نصف رجسٹرڈ ہیں جبکہ نصف غیر رجسٹرڈ حالت میں چل رہے ہیں۔ لیکن سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ رجسٹرڈ مدارس کی قانونی حیثیت بھی پوری طرح واضح نہیں۔ حالیہ دنوں میں جھاپا کے بعض مدارس کے ذمہ داران جب مقامی حکومت سے اضافی فنڈز اور تعاون کے سلسلے میں گفتگو کرنے گئے تو انہیں یہ بتایا گیا کہ مدارس کو صرف نجی ذرائع سے چلانے کی اجازت دی گئی تھی، حکومت ان کی مکمل مالی ذمہ داری لینے کی پابند نہیں ہے۔ یہ بات مدارس کے لئے ایک سنجیدہ سوال پیدا کرتی ہے کہ آخر ان کی اصل قانونی حیثیت کیا ہے اور مستقبل میں ان کا نظام کس بنیاد پر چلے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ نیپال میں مدارس کے لئے اب تک کوئی جامع اور واضح قومی پالیسی موجود نہیں۔ بعض مدارس مقامی حکومت کے تحت رجسٹرڈ ہیں، کچھ سماجی اداروں یا کمیونٹی اسکول کی شکل میں رجسٹر ہیں، جبکہ بہت سے مدارس صرف روایتی انداز میں برسوں سے چل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس کی قانونی شناخت ہر جگہ یکساں نہیں۔ بعض مدارس یہ سمجھتے ہیں کہ رجسٹریشن کے بعد انہیں سرکاری تعلیمی اداروں جیسی سہولیات ملنی چاہئیں، لیکن حکومت شاید انہیں صرف نجی مذہبی اداروں کے طور پر دیکھتی ہے۔ یہی قانونی ابہام مستقبل میں مدارس کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔

مدارس کو سب سے پہلے اپنی رجسٹریشن اور قانونی حیثیت کا مکمل جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہر مدرسہ کو یہ جاننا چاہئے کہ وہ کس قانون کے تحت رجسٹرڈ ہے، رجسٹریشن کے وقت حکومت نے کیا شرائط رکھی تھیں، اور آیا حکومت نے انہیں صرف دینی تعلیم دینے کی اجازت دی تھی یا انہیں کسی حد تک تعلیمی ادارے کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر مدارس کی حیثیت صرف نجی دینی اداروں کی ہے تو پھر حکومت یہ مؤقف اختیار کر سکتی ہے کہ ان کی مالی ذمہ داری عوام یا کمیونٹی پر عائد ہوتی ہے، نہ کہ ریاست پر۔

آج مدارس ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جہاں صرف روایتی چندہ اور زکوۃ پر انحصار کافی نہیں رہے گا۔ مہنگائی، بدلتے معاشی حالات اور مالی نگرانی کے سخت نظام کی وجہ سے مدارس کو اپنے مالی استحکام کے لئے نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے۔ اگر حکومت واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ مدارس نجی وسائل سے چلیں گے، تو مدارس کو مالی خود کفالت کی طرف سنجیدگی سے جانا ہوگا۔ اس کے لئے وقف املاک، زرعی منصوبے، چھوٹے کاروبار، کمیونٹی سپورٹ فنڈ، اور منظم مالی منصوبہ بندی جیسے اقدامات ضروری ہو سکتے ہیں۔ مالی شفافیت بھی انتہائی اہم ہے کیونکہ عوام اور ادارے اسی مدرسہ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں جس کا نظام واضح اور منظم ہو۔

اس کے ساتھ مدارس کو یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ اگر وہ حکومت سے فنڈز یا سہولیات کا مطالبہ کریں تو اس کی بنیاد کیا ہوگی۔ صرف جذباتی اپیلیں شاید مؤثر ثابت نہ ہوں۔ مدارس کو آئینی، قانونی اور تعلیمی بنیادوں پر اپنا موقف تیار کرنا ہوگا۔ مثال کے طور پر مسلم اقلیت کے تعلیمی حقوق، دینی آزادی، غریب بچوں کی تعلیم و کفالت، اور سماجی خدمات جیسے نکات کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر مدارس بنیادی تعلیم، رہائش اور سماجی خدمت انجام دے رہے ہیں تو وہ یہ مؤقف اختیار کر سکتے ہیں کہ حکومت انہیں تعلیمی اور سماجی اداروں کے طور پر تسلیم کرے اور کم از کم بنیادی سہولیات یا محدود مالی تعاون فراہم کرے۔

یہ بھی واضح نظر آ رہا ہے کہ مستقبل میں حکومت مدارس کے لئے کچھ نہ کچھ قواعد و ضوابط ضرور متعارف کرائے گی۔ خاص طور پر جب مدارس کا ڈیٹا اور تفصیلات حکومت کے پاس جمع ہو رہی ہیں تو ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں رجسٹریشن، نصاب، مالی آڈٹ، طلبہ کے ریکارڈ، اساتذہ کی معلومات اور انتظامی نظام کے حوالے سے نئی پالیسیاں بنائی جائیں۔ اس لئے مدارس کو ابھی سے اپنے داخلی نظام کو مضبوط، شفاف اور منظم بنانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مستقبل کی کسی بھی پالیسی کا بہتر انداز میں سامنا کر سکیں۔

مدارس کی ایک بڑی کمزوری ان کا منتشر ہونا بھی ہے۔ ہر مدرسہ الگ انداز میں کام کر رہا ہے اور حکومت کے سامنے کوئی مضبوط اجتماعی نمائندگی موجود نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس ایک مشترکہ پلیٹ فارم یا فیڈریشن قائم کریں جو قانونی ماہرین، ماہرین تعلیم اور سماجی نمائندوں کے ساتھ مل کر مدارس کی مشترکہ پالیسی تیار کرے۔ اجتماعی حکمت عملی کے بغیر مدارس کے مسائل کا مستقل حل نکالنا مشکل ہوگا۔

آج مدارس کے لئے صرف جذباتی ردِ عمل کافی نہیں۔ یہ دور قانون، پالیسی، ادارہ جاتی نظم اور عملی حکمت عملی کا دور ہے۔ اگر مدارس نے بروقت اپنی حیثیت واضح نہ کی، مالی منصوبہ بندی نہ کی اور اجتماعی حکمت عملی اختیار نہ کی تو مستقبل میں ان کے لئے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔ لیکن اگر مدارس دانشمندی، شفافیت، اتحاد اور دور اندیشی کے ساتھ آگے بڑھیں تو وہ نہ صرف اپنی بقا کو محفوظ بنا سکتے ہیں بلکہ نیپال کے تعلیمی اور سماجی نظام میں ایک باوقار اور مثبت کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا نیپال

www.nepalurdutimes.com

مشرقی ہندوستان میں سیاسی غلبہ کے بعد بی جے پی کی نگاہیں جنوبی ہندوستان پر مرکوز

از قلم:

ڈاکٹر سید تابش امام

کاکو، جہان آباد

بہار اور مغربی بنگال میں منعقدہ حالیہ حلف برداری تقریبات میں وزیر اعظم نریندر مودی کی غیر معمولی موجودگی کو اگر محض ایک رسمی شرکت سمجھ لیا جائے تو شاید یہ ہندوستان کی موجودہ سیاست کے گہرے تغیرات کو سمجھنے میں بڑی غلطی ہوگی۔ ہندوستان کی سیاست اب صرف حکومت سازی یا انتخابی کامیابی کا کھیل نہیں رہی بلکہ یہ نظریاتی غلبہ، سماجی تشکیل اور اقتدار کے مسلسل ارتکاز کی ایک طویل حکمت عملی میں تبدیل ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ بہ غور جائزہ لیں تو مشرقی ہندوستان میں بی جے پی کی بڑھتی ہوئی طاقت اسی سیاسی منصوبہ بندی کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔

یہ حقیقت اب کسی سے پوشیدہ نہیں کہ برسوں کی مسلسل محنت، مضبوط تنظیمی ڈھانچہ، جارحانہ انتخابی حکمت عملی اور نظریاتی یکسوئی کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی نے ملک کے سیاسی منظرنامے کو کافی حد تک بدل دیا ہے۔ ایک وقت تھا جب بی جے پی کو شمالی اور مغربی ہندوستان کی جماعت تصور کیا جاتا تھا، مگر آج وہ مشرقی ہندوستان میں بھی اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے۔ بہار، بنگال، جھارکھنڈ اور شمال مشرقی ریاستوں میں اس کی سیاسی موجودگی محض اتفاق نہیں بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ معلوم پڑتی ہے۔

یہ اس حقیقت کی عکاسی ہے کہ بی جے پی کا اصل ہدف صرف اقتدار حاصل کرنا نہیں بلکہ ایسا سیاسی غلبہ قائم کرنا ہے جس کے بعد پارلیمنٹ میں اسے اتنی واضح اکثریت حاصل ہو جائے کہ وہ ان آئینی و قانونی منصوبوں کو بھی عملی جامہ پہنا سکے جو اب تک دو تہائی اکثریت نہ ہونے کے باعث مکمل طور پر نافذ نہیں ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اب اس کی نگاہیں جنوبی ہندوستان کی ان ریاستوں پر مرکوز ہیں جہاں علاقائی جماعتیں اب بھی مضبوط ہیں اور جہاں بی جے پی کو مکمل کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

اگرچہ بی جے پی اپنے سیاسی بیانیہ میں "کانگریس مکت بھارت" کا نعرہ پیش کرتی ہے، لیکن ملک کے ایک بڑے طبقے میں یہ احساس مسلسل مضبوط ہوتا جا رہا ہے کہ عملی سیاست میں اس کا رخ ایک ایسے سماجی و سیاسی نظام کی طرف ہے جہاں مسلمانوں کی نمائندگی بتدریج کم کی جا رہی ہے۔ انتخابات میں مسلم امیدواروں کو ٹکٹ نہ دینا، فیصلہ ساز اداروں سے مسلم قیادت کا غائب ہونا، اور اقتدار کے مراکز میں نمائندگی کا سکڑتا دائرہ ایسے سوالات کو جنم دیتا ہے جنہیں نظر انداز کرنا آسان نہیں۔

یہ صورتِ حال صرف سیاسی اتفاق معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک وسیع تر حکمت عملی کا حصہ محسوس ہوتی ہے۔ گزشتہ کئی ریاستی و پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی نے ایک بھی مسلم امیدوار کو ٹکٹ نہیں دیا، حالانکہ ہندوستان کی جمہوریت ہمیشہ مختلف طبقات کی نمائندگی کے اصول پر قائم رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ملک کا ایک بڑا طبقہ سیاسی نمائندگی سے مسلسل دور ہوتا جائے تو جمہوریت کی روح کس حد تک متاثر ہوگی؟

اسی تناظر میں NRC اور CAA جیسے قوانین پر ہونے والی بحث کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کے حامی انہیں قومی سلامتی اور شہریت کے نظم و ضبط سے جوڑتے ہیں، مگر ناقدین کا کہنا ہے کہ ان قوانین کے نفاذ کی کوشش نے ایک مخصوص طبقے میں خوف، بے اعتمادی اور غیر یقینی کی فضا پیدا کی۔ ملک بھر میں بڑے پیمانے پر احتجاج ہوئے، عدالتوں میں سوالات اٹھے اور کئی ریاستوں نے ان قوانین کے نفاذ پر خدشات ظاہر کیے۔ اگرچہ سیاسی دباؤ اور عوامی مزاحمت کے باعث یہ منصوبہ مکمل طور پر نافذ نہ ہو سکا، مگر اس کے بعد ووٹر لسٹ کی خصوصی نظر ثانی اور دستاویزی جانچ جیسے اقدامات نے ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے۔

حزبِ اختلاف کی جماعتیں یہ الزام عائد کرتی رہی ہیں کہ ان انتظامی عملوں کے ذریعہ خاموشی کے ساتھ غریب، پسماندہ اور بالخصوص مسلم طبقے کے لاکھوں افراد کو حقِ رائے دہی سے محروم کرنے کی راہ ہموار کی جا رہی ہے، جبکہ حکومت ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیتی ہے۔ لیکن جمہوریت میں صرف قانونی جواز کافی نہیں ہوتا، عوامی اعتماد بھی اتنا ہی اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ جب کسی طبقے کو یہ محسوس ہونے لگے کہ ریاستی پالیسیاں اس کے وجود، شناخت یا سیاسی حقوق کے لیے خطرہ بن رہی ہیں تو یہ احساس خود ایک بڑے جمہوری بحران کا سبب بن سکتا ہے۔

تاہم حقیقت کا دوسرا رخ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بی جے پی کی کامیابی صرف مذہبی پولرائزیشن کا نتیجہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ متوسط طبقہ، شہری نوجوانوں اور ان طبقات کی حمایت حاصل نہ کر پاتی جو بنیادی طور پر نظم و نسق، بدعنوانی، ترقی اور مضبوط قیادت کے سوالات پر فکر مند ہیں۔ گزشتہ ایک دہائی میں پارٹی نے سیاست کو صرف جذباتی نعروں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک منظم انتخابی ماڈل میں تبدیل کر دیا۔ بوتھ سطح تک تنظیم، کارکنوں کی تربیت، سوشل میڈیا کا جارحانہ استعمال، عوامی رابطہ مہم اور مخالف جماعتوں کی کمزوریوں کی درست شناخت نے اسے ایک طاقتور سیاسی مشین میں بدل دیا۔

امیت شاہ کی تنظیمی حکمت عملی نے اس پورے عمل میں مرکزی کردار ادا کیا۔ انہوں نے انتخابی سیاست کو جلسوں اور تقریروں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے جلسہ گاہ سے نکال کر ایک مکمل سیاسی سائنس میں تبدیل کیا جہاں ہر حلقہ، ہر سماجی طبقہ اور ہر بوتھ کے لیے الگ حکمت عملی تیار کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بی جے پی اب صرف ایک سیاسی جماعت نہیں بلکہ ایک منظم انتخابی ادارہ بن چکی ہے۔

اس کے برعکس اپوزیشن جماعتوں کی کمزور حکمت عملی بھی بی جے پی کے عروج کی ایک بڑی اور اہم وجہ ہے۔ ہندوستان کی بیشتر اپوزیشن جماعتیں اب تک اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکیں کہ صرف سیکولرازم، خوف یا جذباتی نعروں کے سہارے عوام کو مستقل طور پر متحرک نہیں رکھا جا سکتا۔ عوام اب عملی نتائج چاہتے ہیں۔ انہیں روزگار، تعلیم، صحت، سرمایہ کاری، بنیادی سہولتیں اور بدعنوانی سے پاک نظام درکار ہے۔ اگر اپوزیشن ان مسائل کا واضح اور قابلِ اعتماد حل پیش نہ کرے تو محض حکومت پر تنقید سیاسی واپسی کی ضمانت نہیں بن سکتی۔

مغربی بنگال کی سیاست اس تبدیلی کی ایک واضح مثال ہے۔ ترنمول رہنماء ممتا بنرجی نے ایک عوامی تحریک کے ذریعہ اقتدار حاصل کیا تھا اور طویل عرصے تک خود کو غریبوں اور محروم طبقات کی آواز کے طور پر پیش کیا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ مقامی سطح پر سیاسی تشدد، اقربا پروری، بدعنوانی اور مبینہ "کٹ منی" کلچر کے الزامات بڑھتے گئے۔ متوسط طبقہ اور نوجوانوں کا ایک حصہ یہ محسوس کرنے لگا کہ ریاستی نظام عام آدمی کی پہنچ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وہ خلا تھا جسے بی جے پی نے سیاسی مہارت کے ساتھ پُر کیا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستانی سیاست میں مذہب، ذات، زبان اور علاقائی شناخت ہمیشہ سے انتخابی عمل کا حصہ رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب ان شناختوں کے استعمال کا انداز زیادہ منظم اور جارحانہ ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی سیاست بتدریج نظریاتی اعتدال سے دور اور شدید سیاسی تقسیم کی طرف بڑھتی محسوس ہو رہی ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مشرقی ہندوستان آنے والے برسوں میں قومی سیاست کا سب سے اہم میدان بنتے جا رہا ہے۔ بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال اور شمال مشرقی ریاستیں لوک سبھا کی سیاست میں فیصلہ کن کردار ادا کریں گی۔ اگر بی جے پی یہاں اپنی گرفت مزید مضبوط کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو ہندوستان کی سیاست مزید یک قطبی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اپوزیشن زمینی سطح پر مضبوط متبادل پیش کرنے میں کامیاب ہو گئی تو سیاسی توازن دوبارہ تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔

جمہوریت کی اصل روح یہی ہے کہ اقتدار کسی ایک جماعت کی جاگیر نہیں ہوتا۔ عوام جب چاہیں سیاسی منظرنامہ بدل سکتے ہیں۔ اسی لیے آج ہندوستان کو صرف انتخابی کامیابیوں کی نہیں بلکہ سماجی ہم آہنگی، آئینی توازن، سیاسی نمائندگی اور جمہوری اعتماد کی بھی ضرورت ہے۔ اگر کسی طبقے کو مسلسل حاشیہ پر دھکیلا جائے، اس کی سیاسی شراکت کم کی جائے یا اسے خوف کے ماحول میں جینے پر مجبور کیا جائے تو یہ صورتِ حال وقتی سیاسی فائدہ تو دے سکتی ہے، مگر طویل مدت میں جمہوری ڈھانچے کو کمزور کر سکتی ہے۔

ہندوستان کی اصل طاقت ہمیشہ اس کی تکثیریت، آئینی مساوات اور مختلف طبقات کی مشترکہ شرکت رہی ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جنہوں نے اس ملک کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بنایا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاست اقتدار کے ارتکاز کے بجائے عوامی اعتماد، سماجی انصاف اور آئینی توازن کے اصولوں پر آگے بڑھے، کیونکہ جمہوریت صرف اکثریت کی حکمرانی کا نام نہیں بلکہ ہر شہری کے وقار، نمائندگی اور مساوی حقوق کے تحفظ کا نام بھی ہے۔

رابطہ---- ۹۹۳۴۹۳۳۹۹۲

وندے ماترم کی جبری لازمیت!

(حافظ) افتخار احمد قادری

ہندوستان اپنی تہذیبی گوناگونی، مذہبی تنوع، لسانی کثرت اور ثقافتی رنگارنگی کی وجہ سے دنیا بھر میں ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔ اس ملک کی سب سے بڑی طاقت اس کی یہی تکثیری روح رہی ہے کہ یہاں مختلف مذاہب، زبانوں، عقائد اور ثقافتوں کے ماننے والے صدیوں سے باہم زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ دستورِ ہند نے بھی اسی تنوع کو اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے ہر شہری کو مذہبی آزادی، عقیدے کی حفاظت اور اپنے مذہبی شعائر پر عمل کی مکمل ضمانت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کو ایک "سیکولر" جمہوریہ قرار دیا گیا جہاں ریاست کسی ایک مذہب، عقیدے یا تہذیبی فکر کی نمائندہ نہیں بلکہ تمام شہریوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن افسوس کہ حالیہ برسوں میں ملک کے بعض حساس معاملات کو اس انداز سے پیش کیا جا رہا ہے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا ہے کہ کہیں ہندوستان کی سیکولر شناخت کو بتدریج اکثریتی مذہبی رنگ میں نہ ڈھال دیا جائے۔

مرکزی کابینہ کی جانب سے وندے ماترم کو قومی ترانے "جن گن من" کے مساوی درجہ دینے، اس کے تمام چھ بند لازمی قرار دینے اور تمام سرکاری و تعلیمی اداروں کے پروگراموں میں جن گن من سے قبل اسے پڑھنے کو ضروری بنانے کا اعلان اسی سلسلے کی ایک نہایت تشویشناک کڑی ہے۔ یہ فیصلہ ایک ثقافتی یا رسمی معاملہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں مذہبی، آئینی، سیاسی اور سماجی پیچیدگیاں پوشیدہ ہیں۔ اسی لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سمیت ملک کے مختلف طبقات نے اس پر سخت اعتراض ظاہر کیا ہے۔ کیا کسی جمہوری اور سیکولر ملک میں حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک ایسے گیت کو تمام شہریوں پر لازمی قرار دے جس کے حصے مخصوص مذہبی عقائد اور دیوی دیوتاؤں کی مدح پر مشتمل ہوں؟ کیا دستورِ ہند کی روح اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ کسی شہری کو اس کے مذہبی عقیدے کے خلاف کسی نعرے، گیت یا رسم کا پابند بنایا جائے؟ اگر کوئی مسلمان، عیسائی، سکھ یا کسی اور مذہب کا فرد اپنے عقیدے کی بنیاد پر کسی مذہبی نوعیت کے الفاظ ادا کرنے سے گریز کرتا ہے تو کیا اسے ملک دشمنی یا عدمِ حب الوطنی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر سنجیدہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔

وندے ماترم بنیادی طور پر بنکم چندر چٹر جی کے ناول "آنند مٹھ" کا حصہ ہے۔ اس ناول کا پس منظر خود ایک خاص مذہبی اور سیاسی فضا سے جڑا ہوا ہے۔ اگرچہ آزادی کی تحریک میں اس گیت کو ایک جوشیلے قومی نعرے کے طور پر استعمال کیا گیا لیکن ابتدا ہی سے اس کے بعض حصوں پر اعتراضات بھی موجود رہے ہیں۔ خاص طور پر مسلمانوں نے اس کے ان بندوں پر شدید تحفظات ظاہر کیے جن میں درگا، لکشمی اور دیگر دیویوں کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ اسلام چونکہ خالص توحید کا مذہب ہے اس لیے کسی بھی غیر اللہ کے سامنے تعظیمی اظہار یا عقیدت آمیز الفاظ مسلمانوں کے دینی شعور سے متصادم سمجھے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہے کہ خود کانگریس نے ۱۹۳۷ میں رابندر ناتھ ٹیگور کے مشورے کے بعد یہ تسلیم کیا تھا کہ وندے ماترم کے بعد کے بند مذہبی نوعیت رکھتے ہیں اور تمام طبقات کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اسی بنیاد پر صرف ابتدائی دو بندوں کو محدود پیمانے پر قبول کیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۰ میں کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے بھی اسی حساسیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ابتدائی دو بندوں کو قومی گیت کی حیثیت دی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملک کے بانیانِ دستور اس معاملے کی نزاکت کو بخوبی سمجھتے تھے اور وہ ہندوستان کو کسی مذہبی قوم پرستی کے راستے پر نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن آج اگر اچانک تمام چھ بندوں کو لازمی قرار دیا جاتا ہے تو یہ نہ صرف اس تاریخی اتفاقِ رائے سے انحراف ہے بلکہ ایک خطرناک نظیر بھی قائم کرتا ہے۔ یہ اقدام دراصل اس سوچ کو تقویت دیتا ہے کہ اکثریتی مذہبی علامات کو قومی شناخت کا لازمی حصہ بنایا جائے چاہے اس کے نتیجے میں اقلیتوں کے مذہبی جذبات مجروح ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ ایک مہذب جمہوری معاشرے کی بنیاد جبر پر نہیں بلکہ رضامندی، احترام اور آئینی مساوات پر قائم ہوتی ہے۔ حب الوطنی کا معیار کسی مخصوص نعرے یا گیت کو قرار دینا خود حب الوطنی کے مفہوم کو محدود کر دینا ہے۔ وطن سے محبت دل کا جذبہ ہے جس کا اظہار مختلف انداز میں ہو سکتا ہے۔ کوئی شہری اگر اپنے مذہبی عقیدے کی بنیاد پر وندے ماترم کے بعض الفاظ ادا نہیں کرتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے وطن سے محبت نہیں کرتا۔ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک کی آزادی، تعمیر اور دفاع کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ ان کی حب الوطنی کو کسی ایک نعرے یا گیت کی بنیاد پر مشکوک قرار دینا نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ تاریخ سے بھی انحراف ہے۔ آج ملک کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کے بجائے اسے غداری اور دشمنی سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ جمہوریت کی اصل روح یہی ہے کہ ہر شہری کو اپنے ضمیر اور عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو۔ دستورِ ہند کا آرٹیکل ۲۵ ہر شہری کو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اگر کسی مسلمان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وندے ماترم کے بعض بند اس کے عقیدہ توحید سے متصادم ہیں تو اسے ان بندوں کے پڑھنے پر مجبور کرنا صریحاً آئینی روح کے خلاف ہے۔ افسوس! کہ اس قسم کے فیصلے اکثر ایسے وقت میں سامنے آتے ہیں جب ملک کو اتحاد، معاشی استحکام، تعلیمی اصلاحات اور سماجی ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام کے حقیقی مسائل سے توجہ ہٹا کر مذہبی جذبات کو ابھارنے کی سیاست نہ صرف جمہوری ماحول کو آلودہ کرتی ہے بلکہ قوم کو ذہنی اور سماجی طور پر تقسیم بھی کرتی ہے۔ ہندوستان جیسے کثیر مذہبی ملک میں حکومت کی ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ وہ تمام طبقات کے اعتماد کو برقرار رکھے نہ کہ ایسے فیصلے کرے جن سے اقلیتوں میں عدمِ تحفظ کا احساس پیدا ہو۔ ہندوستان کی اصل طاقت اس کی وحدت میں کثرت رہی ہے۔ اگر اس ملک کو واقعی مضبوط اور مستحکم بنانا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مذہب، ہر طبقے اور ہر زبان کے ماننے والوں کو برابر کا شہری سمجھا جائے۔ اکثریت کی تہذیب کو قومی تہذیب اور اقلیتوں کے احساسات کو غیر اہم سمجھنے کا رویہ ملک کو کمزور کرے گا مضبوط نہیں۔ قومی یکجہتی زبردستی کے نعروں سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ انصاف، مساوات اور باہمی احترام سے پروان چڑھتی ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا احتجاج اسی آئینی اور جمہوری حق کے دائرے میں ہے۔ بورڈ نے جو خدشات ظاہر کیے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ ہر اس شخص کے خدشات ہیں جو ہندوستان کی سیکولر شناخت، آئینی وقار اور مذہبی آزادی پر یقین رکھتا ہے۔ اگر آج ایک مخصوص مذہبی علامت کو لازمی بنایا جائے گا تو کل کسی اور عقیدے یا رسم کو بھی قومی شناخت کے نام پر مسلط کیا جا سکتا ہے اور یہی طرزِ فکر جمہوری معاشروں کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ حکومت اس فیصلے پر سنجیدگی سے نظرِ ثانی کرے اور ایسے اقدامات سے اجتناب کرے جو ملک کے سماجی تانے بانے کو متاثر کرتے ہوں۔ ہندوستان کسی ایک مذہب یا ایک تہذیب کا نام نہیں بلکہ یہ مختلف عقائد، ثقافتوں اور روایات کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی بقا اسی میں ہے کہ یہاں ہر شہری کو بلا خوف و جبر اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل رہے۔ اگر مذہبی آزادی اور آئینی مساوات کمزور پڑ گئی تو پھر ہندوستان کی وہ عظیم جمہوری شناخت بھی خطرے میں پڑ جائے گی جس پر دنیا بھر کو فخر رہا ہے۔ آج نعروں کی نہیں بلکہ آئین کی روح کو زندہ رکھنے کی ہے۔ ضرورت اکثریت کی بالادستی ثابت کرنے کی نہیں بلکہ ہر شہری کے اعتماد کو بحال رکھنے کی ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کو نفرت و جبر اور مذہبی تصادم کے راستے پر لے جانے کے بجائے اخوت و رواداری اور باہمی احترام کی راہ پر آگے بڑھایا جائے۔ یہی دستورِ ہند کا تقاضا ہے یہی جمہوریت کا حسن ہے اور یہی ہندوستان کی اصل شناخت بھی۔ * کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت، یوپی (مضمون نگار معروف صحافی و تجزیہ نگار ہیں)

شاہ حسین نہری — غزل، تہذیب اور فکری وقار کا استعارہ

شیخ عامر شیخ امان اللہ اسسٹنٹ پروفیسر شری بنکٹ سوامی مہاودیالیہ، بیڑ محکمۂ اُردو

سید شاہ حسین نہری صاحب

اردو ادب کی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو محض شاعر یا ادیب نہیں رہتیں بلکہ ایک عہد، ایک تہذیب اور ایک فکری روایت کی علامت بن جاتی ہیں۔ سید شاہ حسین نہری بھی ایسی ہی ایک قد آور اور باوقار ادبی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اردو زبان، غزل کی تہذیبی روایت، علمی سنجیدگی اور فکری وقار کے فروغ کے لیے وقف کیے رکھی۔ ان کا شمار مراٹھواڑہ خصوصاً اورنگ آباد دکن کے اُن ممتاز شعرا و ادبا میں ہوتا ہے جنہوں نے خاموشی، متانت اور فکری گہرائی کے ساتھ اردو ادب کی خدمت انجام دی۔ ۲۳ اپریل ۲۰۲۶ کو ان کے انتقال کی خبر نے نہ صرف اورنگ آباد بلکہ پورے مراٹھواڑہ کے ادبی حلقوں کو سوگوار کر دیا۔ اردو دنیا ایک ایسے شاعر، استاد، نقاد اور باوقار انسان سے محروم ہوگئی جس کی موجودگی خود ایک انجمن تھی۔ ان کے انتقال سے اردو ادب کا ایک روشن باب اختتام پذیر ہوا، لیکن ان کی شاعری، فکر، تہذیبی شعور اور ادبی خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

ابتدائی زندگی اور خاندانی پس منظر

سید شاہ حسین نہری کی ولادت ۱۲ فروری ۱۹۴۱ء مطابق ۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ کو اورنگ آباد دکن میں ایک علمی، روحانی اور تہذیبی گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد سید احمد نہری صاحب مرحوم اپنے وقت کے معزز اور باوقار انسانوں میں شمار ہوتے تھے جبکہ والدہ سیدہ فاطمہ بیگم صاحبہ نہایت دیندار، بااخلاق اور تربیت یافتہ خاتون تھیں۔ گھر کا ماحول مذہبی، علمی اور ادبی اقدار سے مزین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ حسین نہری کی شخصیت میں ابتدا ہی سے سنجیدگی، شائستگی، وقار اور فکری توازن پیدا ہو گیا تھا۔ بچپن ہی سے انہیں مطالعے اور زبان و ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ اورنگ آباد دکن کی تہذیبی فضا، دکنی روایت، صوفیانہ ماحول اور اردو زبان کی خوشبو نے ان کے شعور کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وہ فضا تھی جس نے ان کے اندر ایک حساس شاعر اور بالغ نظر ادیب کو جنم دیا۔

تعلیم اور علمی سفر

شاہ حسین نہری نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اردو میں ایم۔ اے۔ کیا۔ تعلیم کے دوران ہی ان کی ادبی صلاحیتیں نمایاں ہونے لگیں۔ انہیں کلاسیکی اردو شاعری سے خاص شغف تھا۔ میر، غالب، مومن، اقبال، فانی، جگر اور فراق جیسے شعرا کا گہرا مطالعہ ان کی فکری تربیت کا حصہ بنا۔

انہوں نے صرف کتابی علم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زندگی کے مشاہدات، انسانی رویوں، تہذیبی زوال، روحانی اقدار اور معاشرتی تضادات کو بھی اپنے شعور کا حصہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری محض لفظوں کی بازی گری نہیں بلکہ تجربات و احساسات کی ایک سچی اور پُر خلوص دنیا محسوس ہوتی ہے۔

تدریسی خدمات

شاہ حسین نہری نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۶۷ء میں معین العلوم ہائی اسکول، اورنگ آباد دکن میں مددگار مدرس کی حیثیت سے کیا۔ ۱۹۷۰ء تک انہوں نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں وہ بل بھیم کالج، بیر کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوگئے جہاں انہوں نے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۹ء تک لکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ بطور استاد وہ نہایت مقبول، بااخلاق اور علم دوست شخصیت کے مالک تھے۔ طلبہ انہیں صرف استاد نہیں بلکہ مربی اور رہنما سمجھتے تھے۔ ان کا اندازِ تدریس مدلل، شائستہ اور فکری گہرائی سے بھرپور ہوتا تھا۔ وہ طلبہ کو صرف نصابی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ زبان کی تہذیب، فکر کی پختگی اور کردار کی بلندی کا درس بھی دیتے تھے۔ ان کے بے شمار شاگرد آج مختلف علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے استاد کو عقیدت سے یاد کرتے ہیں۔

ادبی سفر کا آغاز

شاہ حسین نہری نے نوعمری ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا میں وہ روایتی غزل کے دائرے میں اظہار کرتے رہے لیکن جلد ہی ان کی شاعری میں انفرادی رنگ نمایاں ہونے لگا۔ انہوں نے کبھی وقتی شہرت یا ادبی فیشن کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنی داخلی سچائی اور فکری دیانت کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ وہ ان شاعروں میں شامل تھے جو شعر کو محض تفریح یا جذباتی اظہار کا وسیلہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے فکری اور تہذیبی ذمہ داری تصور کرتے ہیں۔ ان کے یہاں لفظ وقار کے ساتھ آتے ہیں، جذبات تہذیب کے دائرے میں رہتے ہیں اور فکر خاموشی کے ساتھ اپنا اثر چھوڑتی ہے۔

غزل—ان کی پہچان

اگرچہ شاہ حسین نہری نے نظم، رباعی، حمد، نعت، منقبت اور دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی، مگر ان کی اصل پہچان غزل رہی۔ ان کی غزل نہ شور پیدا کرتی ہے، نہ مصنوعی جذباتیت۔ وہ قاری کو چونکانے کے بجائے سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

ان کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا:

”شاہ حسین نہری غزل کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام مضطرب نہیں کرتا بلکہ ٹھہر کر سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔“

ان کی غزلوں میں داخلی کرب، تہذیبی شعور، انسانی تجربات، روحانی اقدار اور زندگی کی تلخ حقیقتیں نہایت سادگی مگر گہرائی کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ وہ پیچیدہ فلسفے کو بھی مختصر اور سادہ لفظوں میں بیان کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔

ان کے اشعار میں جذباتی توازن، فکری سنجیدگی اور تہذیبی شائستگی نمایاں نظر آتی ہے۔

شعری مجموعے

شب آہنگ (۱۹۷۹ء)

یہ ان کا پہلا شعری مجموعہ تھا جس نے انہیں ادبی دنیا میں متعارف کرایا۔ اس مجموعے میں ان کی ابتدائی غزلیں شامل ہیں جن میں احساس کی تازگی، زبان کی سلاست اور فکری وقار نمایاں ہے۔

شب تاب (۱۹۹۹ء)

یہ مجموعہ ان کی فکری پختگی کا مظہر ہے۔ اس میں شامل غزلیں زندگی کے تلخ و شیریں تجربات، انسانی رویوں اور داخلی کشمکش کی آئینہ دار ہیں۔

سامانِ تسکین (۲۰۰۳ء)

یہ مجموعہ حمد، نعت، مناجات اور منقبت پر مشتمل ہے۔ اس سے ان کی روحانی وابستگی، مذہبی شعور اور عقیدت مندانہ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

رباعیاتِ شاہ (۲۰۰۳ء)

اس مجموعے میں شامل رباعیات ان کی فکری بصیرت اور زبان پر قدرت کا ثبوت ہیں۔ انہوں نے مختصر پیرائے میں بڑے موضوعات کو سمیٹنے کا کمال دکھایا ہے۔

شاعری کی خصوصیات

فکری سنجیدگی

شاہ حسین نہری کی شاعری کا سب سے اہم وصف فکری سنجیدگی ہے۔ ان کے یہاں جذبات کے ساتھ فکر بھی موجود ہے۔ وہ محض رومان یا جذباتیت کے شاعر نہیں بلکہ شعور اور ادراک کے شاعر ہیں۔

تہذیبی شعور

ان کی شاعری میں تہذیبی اقدار کا گہرا احساس ملتا ہے۔ وہ زبان، اخلاق، روایت اور انسانی قدروں کے زوال پر نہایت درد مندی کے ساتھ اظہار کرتے ہیں۔

لفظوں کی کفایت

وہ کم الفاظ میں بڑی بات کہنے کا ہنر رکھتے تھے۔ ان کے اشعار میں غیر ضروری لفظ نہیں ملتے۔ ہر لفظ اپنی جگہ معنی خیز محسوس ہوتا ہے۔

داخلی تجربات

ان کی شاعری تخیل کی پرواز سے زیادہ ذاتی تجربات اور قلبی واردات پر مبنی ہے۔ انہوں نے زندگی کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا، اسی لیے ان کے اشعار میں سچائی اور خلوص کی تاثیر ملتی ہے۔

اردو زبان سے محبت

شاہ حسین نہری کو اردو زبان سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اردو کو صرف ایک زبان نہیں بلکہ تہذیب، محبت، شائستگی اور انسانی رشتوں کی زبان سمجھتے تھے۔

ان کی رباعیات میں اردو کے تعلق سے ان کا جذبہ پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے:

آداب کا، تہذیب کا ورثہ اردو
الفت کا، محبت کا وتیرہ اردو
دلکش ہے یہ، جوڑے ہے دلوں کو اے شاہ!
شیریں مقالی کا قرینہ اردو

اسی طرح ایک اور رباعی میں کہتے ہیں:

تو مظہر تہذیب ہماری اردو
تو جان سے اپنی ہمیں پیاری اردو
بازاریت اس دور کی کہتی ہے مگر
جینے پر معاش
آج ہے
بھاری اردو

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اردو کو محض ادبی زبان نہیں بلکہ تہذیبی شناخت سمجھتے تھے۔

شخصیت اور مزاج

شاہ حسین نہری نہایت منکسر المزاج، شائستہ، باوقار اور خاموش طبیعت کے انسان تھے۔ وہ شہرت کے طالب نہیں تھے۔ ادبی محفلوں میں بھی وقار اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرتے۔ ان کے اندر ایک درویشانہ کیفیت تھی۔ ان کے شاگردوں اور قریبی احباب کا کہنا ہے کہ وہ اختلاف کے باوجود تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کی گفتگو میں نرم لہجہ، دلیل اور محبت شامل ہوتی تھی۔

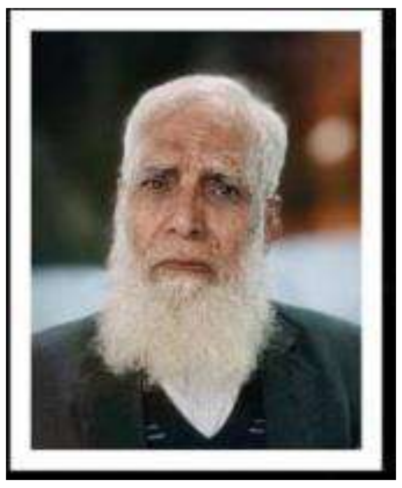

تنقیدی شعور اگرچہ ان کی بنیادی شناخت شاعر کی تھی، مگر ان کے اندر ایک گہرا تنقیدی شعور بھی موجود تھا۔ وہ ادب کو صرف جمالیاتی تجربہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے سماجی، تہذیبی اور اخلاقی پہلوؤں پر بھی نظر رکھتے تھے۔

وہ جدیدیت، فیشن زدگی اور سطحی اظہار کے مخالف تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ ادب میں پائیداری صرف سچائی، تجربے اور فکری دیانت سے پیدا ہوتی ہے۔

ان کا شعری نظریہ

شاہ حسین نہری کا یہ قول ان کی پوری شاعری کی تفہیم میں مدد دیتا ہے:

”میں سمجھتا ہوں کہ سچا فن امتزاج، تصادم، قدروں کے ٹکراؤ اور انحراف کے ٹھہراؤ سے جنم لیتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں زندگی کے تضادات، تہذیبی بحران اور انسانی کرب ایک متوازن اور باوقار انداز میں سامنے آتے ہیں۔

مراٹھواڑہ کی ادبی روایت میں مقام

مراٹھواڑہ کی اردو روایت ہمیشہ زرخیز رہی ہے۔ ولی اورنگ آبادی سے لے کر جدید دور تک اس خطے نے بے شمار شعرا اور ادبا پیدا کیے۔ شاہ حسین نہری اسی تابندہ روایت کی ایک اہم کڑی تھے۔

انہوں نے اورنگ آباد میں اردو ادب کی محفلوں کو زندہ رکھا، نوجوان شعرا کی رہنمائی کی اور زبان و ادب کے وقار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔

شاگردوں کی بڑی تعداد

شاہ حسین نہری کے شاگردوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ وہ اصلاحِ سخن میں بڑی باریک بینی سے کام لیتے تھے۔ عروض، زبان، محاورے، بیان اور فکری توازن پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ اسی لیے نوجوان شعرا انہیں استادِ محترم کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔

وہ شاگردوں کو صرف شعر کہنا نہیں سکھاتے تھے بلکہ شعر کو جینا سکھاتے تھے۔

ان کے منتخب اشعار

میں شاہ بھی، حسین بھی، نہری بھی، کیا کہوں
میرا ہر ایک رنگ
میں سایہ
زمین پر

یہ شعر ان کی شخصیت کی ہمہ جہتی اور داخلی وسعت کا آئینہ دار ہے۔

اسی طرح ان کے اشعار میں تہذیبی وقار اور فکری گہرائی مسلسل محسوس ہوتی ہے۔

کچھ دل میں اترتا چلا گیا۔ وہ صرف ایک صحافی نہیں، بلکہ ایک ایسی فکری شخصیت ہیں جو اُردو ادب، تہذیب اور روحانی شعور کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ جب وہ لب کشا ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے الفاظ میں زندگی دوڑ گئی ہو۔ ان کی گفتگو میں ادب کی لطافت، تاریخ کی گہرائی، اور معاشرے کی نبض کو سمجھنے کی غیر معمولی بصیرت جھلکتی ہے۔ ہر جملہ ایک فکر کو جنم دیتا ہے اور ہر بات دل کے کسی نہ کسی گوشے کو روشن کر دیتی ہے۔ اسی نشست میں جب انہوں نے اپنی زیرِ تصنیف کتاب کا ذکر کیا، تو یہ لمحہ ایک نئی خوشی اور امید کا پیامبر بن گیا۔ ان کے لہجے میں جو یقین، جو محبت، اور جو وابستگی تھی، اس سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کتاب محض تحریروں کا مجموعہ نہیں ہوگی، بلکہ بہار کی اُردو تہذیب، اس کی روایتوں اور اس کے علمی سرمائے کا ایک روشن آئینہ ہوگی۔ یہ سن کر دل خوشی سے لبریز ہو گیا، جیسے کسی نے تاریکی میں چراغ روشن کر دیا ہو۔ یہ ملاقات صرف ایک خوشگوار لمحہ نہ تھی، بلکہ اس نے ماضی کی اُن سادہ مگر خلوص بھری محفلوں کی یاد تازہ کر دی، جہاں رشتے لفظوں سے نہیں بلکہ احساسات سے جڑے ہوتے تھے۔ سوشل میڈیا کی دوری کے بعد جب یہ ملاقات حقیقت کا روپ دھار گئی، تو یوں محسوس ہوا جیسے ایک ادھورا خواب مکمل ہو گیا ہو۔ ٹی ایم ضیاء الحق صاحب جیسے لوگ حقیقت میں صرف فرد نہیں ہوتے، بلکہ ایک کارواں ہوتے ہیں محبت کا، اخلاق کا، اور انسانیت کا۔ ان کی شخصیت میں جو وقار ہے، وہ کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، اور ان کے دل میں اُردو کے لیے جو درد اور تڑپ ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس زبان کو صرف بولتے نہیں، بلکہ جیتے ہیں۔ انہوں نے بڑے واضح انداز میں کہا کہ اُردو صرف ماضی کی ایک

وفات—ایک عہد کا اختتام

23 اپریل ۲۰۲۶ کو طویل علالت کے بعد شاہ حسین نہری کا انتقال اورنگ آباد میں ہوا۔ ان کی وفات کی خبر پورے ادبی حلقے کے لیے ایک صدمہ تھی۔ انہیں بھڑکال گیٹ کے قریب آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

ان کی نمازِ جنازہ میں شعرا، ادبا، اساتذہ، طلبہ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ ہر آنکھ اشکبار تھی کیونکہ لوگ صرف ایک شاعر نہیں بلکہ ایک تہذیبی شخصیت کو رخصت کر رہے تھے۔

ادبی وراثت

شاہ حسین نہری کا اصل سرمایہ ان کی شاعری، ان کی فکر، ان کی تہذیبی وابستگی اور ان کی ادبی دیانت ہے۔ آج جب ادب میں سطحیت، جلد بازی اور نمائشی رویے بڑھ رہے ہیں، ایسے وقت میں شاہ حسین نہری کی شاعری ہمیں وقار، سنجیدگی اور فکری گہرائی کا سبق دیتی ہے۔

ان کی غزلیں آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ رہیں گی۔ ان کا نام مراٹھواڑہ کی ادبی تاریخ میں ہمیشہ احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔

خراجِ عقیدت

شاہ حسین نہری بظاہر ہم سے جدا ہو گئے ہیں، لیکن ان کی آواز، ان کے اشعار، ان کی فکر اور ان کی محبت ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اردو ادب ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

وہ واقعی ان لوگوں میں تھے جو خاموشی سے چراغ جلاتے ہیں اور زمانے کو روشنی دے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے اہلِ خانہ، شاگردوں اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ آمین۔

”مولوی جی آپ کہاں چلے گئے؟“

”مولوی جی آپ کہاں چلے گئے؟“

جو لوگ گذشتہ صدی میں پچاس کی دہائی میں پیدا ہوئے، جتنی تبدیلیاں زندگی میں انہوں نے دیکھی ہیں شاید ہی کسی اور دہائی میں رہنے والوں نے دیکھی ہو۔ پچاس کی تہذیب ہماری آج کی تہذیب سے اس قدر مختلف تھی کہ جب ہم اپنے بچوں کو اس دور کے واقعات کے بارے میں بتلاتے ہیں تو ان کے لئے یہ سب کچھ حیرت انگیز اور حیران کن ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے بچوں نے اپنے محلوں یا علاقوں میں کبھی دودھ کی دکان نہیں دیکھی، جہاں کڑاہی کے اندر دودھ اُبالا جاتا تھا، جہاں رات کے وقت لوگ مٹی کے پیالوں میں گرم گرم دودھ میں تازہ جلیبیاں ڈال کر پیتے تھے، جہاں صبح کے وقت لوگ نہ صرف گھروں میں ناشتے کے لئے دودھ خریدتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بالائی بھی خریدتے تھے، جو شہری ناشتے کا اس زمانے میں ایک اہم جز گردانا جاتا تھا، گوالا معاشرے کا ایک اہم طبقہ ہوا کرتا تھا جو پیکٹ دودھ آنے کے بعد آہستہ آہستہ ناپید ہو گیا۔ شہروں کے اندر بہت کم لوگ بازار سے پیکٹ والا دودھ خریدنے کے بجائے گوالے سے دودھ خریدتے ہیں جو موٹر سائیکلوں پر گھروں کی دہلیز پر پہنچایا جاتا ہے، دودھ کی دکان پر صبح کے وقت لسی اور دہی بھی بیچا جاتا تھا جو ناشتے کا ایک جز تھا، کیونکہ پچاس کی دہائی تک ناشتے میں چائے کا استعمال صرف ان گھروں میں ہی رواج پا سکا تھا جنہیں عام لوگ یا بابو لوگ کہتے تھے۔ اس زمانے میں ملک بھر میں محلے کے اندر دوسری اہم جگہ محلے کا تندور ہوتا تھا، جہاں صبح کے وقت تقریباً ہر گھر سے کوئی نہ کوئی نکل کر ناشتے کے لئے روٹیاں، نان، اور پراٹھے وغیرہ خریدتا تھا، بیکریاں وجود میں آ چکی تھیں لیکن زیادہ تر کنٹومینٹ علاقوں یا امیر علاقوں میں تھیں کیونکہ ملک کا عام شہری چاہے غریب ہو امیر تندوری، روغنی یا سادہ نان یا روٹی پڑاٹھے کے ساتھ ہی ناشتہ کرتا تھا۔ لوگ تندوری روٹی یا نان کے ساتھ باقاعدہ رات کا بچا ہوا سالن یا بھجیا وغیرہ کھاتے تھے، جس کے بعد وہ دوپہر کے وقت کھانا کھانے کی بجائے شام پڑتے ہی کھانا کھا لیتے تھے کیونکہ اس قدر بھرپور ناشتے کے بعد دوپہر کو بھوک نہیں لگتی تھی، آدمی چاک و چوبند بھی رہتا تھا اور صحت و تندرستی بھی قائم رہتی تھی۔ اس زمانے میں میں اور آپ جو پوریاں خریدتے تھے ان کے ساتھ چھولے، بھاجی اور حلوہ مفت دیا جاتا تھا۔ یہ ماضی ہم سب کا ماضی ہے اور آج جو لوگ ان سب چیزوں سے بیگانہ ہو چکے ہیں وہ سب انہی چیزوں سے لطف اندوز ہو ہو کر اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ ان چیزوں کو جو ابھی بھی کہیں کہیں اپنا وجود رکھتی ہیں۔

قارئین حضرات! اس زمانے میں سب سے اہم محلے کا کردار محلے کی مسجد کا مولوی ہوا کرتا تھا، جس سے محلے کے سبھی لوگوں کا ایک خاص قسم کا رشتہ ہوتا تھا جو ہر لحاظ سے قابلِ احترام اور دونوں جانب سے خلوص پر مبنی ہوتا تھا۔ محلے کی مسجد کے مولوی صاحب کے نزدیک سارے گھر برابر تھے، سارے گھروں کے بچے ان سے قاعدہ پڑھنے ان کے پاس مسجد میں وقت مقررہ پر پہنچ جاتے تھے۔ وہ سارے بچے اور بچیاں باقی ماندہ زندگی میں مولوی جی کو کبھی نہیں بھولتے تھے اور ہمیشہ اپنے بچوں کو بھی مولوی جی کی شفقت، پیار محبت اور بزرگانہ تربیت کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتلاتے رہتے تھے۔ لولوی جی سے محبت، عقیدت اور احترام کا اس قدر خیال رکھا جاتا تھا کہ ہر گھر میں مولوی جی کے حصے کا کھانا بنتا تھا۔ مولوی جی کو ملنے مسجد میں کوئی مہمان آیا ہو یا کوئی مسافر وغیرہ موجود ہو، محلے کے لوگ اس کی مہمان نوازی بھی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ سماجی سطح پر مولوی جی کی اس قدر اہمیت تھی کہ محلے میں بعض اوقات مختلف گھرانوں کے خاندانی جھگڑوں تک مولوی جی کی بزرگانہ شفقت اور نصیحتوں کے باعث بہ خوبی حل ہو جایا کرتے تھے، ناراض بہو بیٹیاں گھروں کو واپس چلی جاتی تھیں، داماد اور بیٹے اپنی گھر والیوں کو منا کر لے آتے تھے۔ مولوی جی کی ذات کدورتیں مٹانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ صرف شادی بیاہ اور رنج و غم کے موقعوں پر ہی مولوی جی سامنے نہیں آتے تھے بلکہ محلے کی کسی بھی انفرادی یا اجتماعی تقریب میں ان کی موجودگی باعثِ برکت سمجھی جاتی تھی۔ جس محفل میں بڑے بڑے پدوالے جو مولوی جی جیسے ہزاروں لوگوں کو پال سکنے کی استطاعت رکھتے تھے وہ بھی مولوی جی تقریب میں آمد پر باادب کھڑے ہو جاتے تھے کیونکہ مولوی جی نے کبھی کسی کو اس کے دولت اور منصب کی وجہہ سے عزت نہیں دی تھی، خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق مولوی جی کے لئے سارے لوگ برابر تھے۔ اس زمانے کے مولوی جی محلے کے صوفی تھے جو ہر قسم کے لوگوں کو اپنے پہلو میں لے کر چلتے تھے، ہم نے کبھی یہ نہیں سنا تھا کہ محلے کی مسجد فلاں کی مسجد ہے، ہم نے کبھی نہیں سنا تھا کہ مولوی جی فلاں ہیں، کیونکہ مولوی جی نے مسجد کو کبھی اپنا گھر نہیں بتایا تھا جبکہ آج کے دور میں مولوی حضرات مسجد کو اپنے باپ کی عمارت کہتے نہیں تھکتے۔ چونکہ مسجد خدا کا گھر ہوا کرتی تھی اس لئے مولوی جی بھی سبھی کے مولوی جی تھے۔ اس زمانے کے مولوی جی جب بچے اور بچیوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے تو سب سے پہلے رحمان و رحیم کا مطلب دلنشیں کراتے تھے تاکہ بچے بڑے ہو کر بھی خداوند تعالیٰ کی اس عظیم ترین فضیلت کو کبھی نہ بھولیں جو خدا کے گھر کی بنیاد ہوتی ہے، جبکہ آج کے مولوی جی امت میں بھوٹ ڈالنے کے لئے مسلکی باتیں کرتے ہیں، قرآن و حدیث کی بجائے اپنے بزرگوں کی کتابوں سے من گڑھت کہانیوں کو سنا کر امت کو گمراہ کرتے ہیں۔

بہر حال یہ ہی وہ ساری باتیں تھیں جن کی وجہہ سے مولوی جی جب محلے کی گلیوں سے گذرتے تھے تو بعض اوقات پردہ نشیں مائیں، بہنیں بھی دروازوں کے اوٹ سے ”مولوی جی سلام، مولوی جی سلام“ کہہ کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتی تھیں۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ مولوی جی انکے بچوں اور بچیوں کو خدا اور رسول ﷺ کے قریب ہونے کا درس دیتے ہیں، ان کے شوہروں، بھائیوں اور بزرگوں کو خداوند تعالیٰ کی رحیمی اور کریمی کا سبق پڑھاتے ہیں۔ یہی وجہہ تھی کہ اس زمانے کے محلوں کے سارے لوگ یعنی چھوٹے سے بڑے تک، عورتوں سے مردوں تک، بچے اور بچیاں سبھی ان کے احسان مند تھے۔ مولوی جی محلے کی جان تھے۔ مگر آج کل کے مولوجی کو دیکھکر یہ بات دل سے نکلتی ہے کہ مولوی جی آپ کہاں چلے گئے؟

قیصر محمود عراقی
کریگ اسٹریٹ، کمرہٹی، کولکاتا۔۵۸
Mob: 6291697668

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

عید الاضحیٰ: سنتِ ابراہیمی اور ہمارا طرزِ عمل

* تحریر:
محمد فداء المصطفیٰ قادری *

عید الاضحیٰ محض ایک تہوار یا رسمی عبادت کا نام نہیں، بلکہ یہ بندۂ مؤمن کے ایمان، وفاداری اور جذبۂ ایثار کا وہ روشن مینار ہے جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال اطاعت پر قائم ہے۔ یہی وہ مقدس یادگار ہے جو ہر سال امتِ مسلمہ کو یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے اپنی خواہشات، محبتوں اور مفادات کو قربان کر دینا ہی بندگی کا حقیقی مفہوم ہے۔ قربانی دراصل انسان کے ظاہر سے زیادہ اس کے باطن کا امتحان ہے، جہاں اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کو پرکھا جاتا ہے۔

افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ اس عظیم عبادت کی روح دھیرے دھیرے ماند پڑتی جا رہی ہے۔ جو قربانی کبھی عاجزی، سادگی اور خدا خوفی کی علامت تھی، آج کئی مقامات پر نمود و نمائش، فخر و مباہات اور رسم و رواج کے دبیز پردوں میں چھپتی دکھائی دیتی ہے۔ عبادت کا جوہر اخلاص ہے، لیکن جب نیتوں میں کھوٹ آ جائے تو بڑے سے بڑا عمل بھی بے وزن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قربانی کے ظاہری مظاہر سے آگے بڑھ کر اس کے حقیقی مقصد کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

عید الاضحیٰ کے مبارک ایام میں دنیا بھر کے مسلمان سنتِ ابراہیمیؑ پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت مبارک اور سعادت بھرا عمل ہے، جس میں لاکھوں مسلمان شریک ہو کر اپنی محبتِ الٰہی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی عبادت کی قبولیت کا دار و مدار صرف اس کے ظاہری حسن پر نہیں بلکہ نیت کے اخلاص پر ہوتا ہے۔ اگر دل ریاکاری سے آلودہ ہو تو عبادت کا نور ماند پڑ جاتا ہے۔ قربانی بھی انہی اعمال میں سے ہے جس میں نیت کی پاکیزگی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

آج کے دور میں ایک عجیب روش پروان چڑھتی جا رہی ہے کہ لوگ قربانی کو عبادت سے زیادہ اپنی حیثیت اور دولت کی نمائش کا ذریعہ بنا بیٹھے ہیں۔ مہنگے ترین جانور خریدنا، ان کی قیمتوں کے چرچے کرنا، اور لوگوں کے درمیان اپنی شان و شوکت کا سکہ جمانا گویا ایک فیشن بنتا جا رہا ہے۔ بعض افراد ایک ایک جانور پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں، لیکن اس کے پسِ پشت اخلاص کم اور شہرت کی خواہش زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ عبادت جب دکھاوے کی نذر ہو جائے تو اس کی روح پر زنگ لگ جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ قربانی کے نام پر اس قدر اسراف اور تکلف آخر کیوں؟ خصوصاً جب یہی لوگ زکاۃ، صدقات اور دیگر مالی حقوق کی ادائیگی میں سستی اور بے توجہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات مہنگے جانور خریدنے کے پیچھے اللہ کی رضا سے زیادہ لوگوں کی واہ واہ مقصود ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قربانی سے پہلے جانوروں کی تشہیر، ان کی نمائش، بازاروں میں جلوس کی مانند گھمانا اور پھر سوشل میڈیا پر تصاویر اور ویڈیوز کی بھرمار عام ہو چکی ہے۔ گویا عبادت کم اور نمائش زیادہ رہ گئی ہے۔

اگر انہی لوگوں کو یہ مشورہ دیا جائے کہ سادہ جانور خرید کر باقی رقم کسی غریب، یتیم یا ضرورت مند کی مدد پر خرچ کر دیں تو اکثر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ حالانکہ اخلاص کے ساتھ کسی محتاج کے چہرے پر مسکراہٹ لانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب عمل ہے۔ مگر افسوس کہ جہاں نفس کی خواہشات غالب آ جائیں وہاں ایثار کا جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ دینِ اسلام صرف رسموں کا نہیں بلکہ احساسِ انسانیت اور خیر خواہی کا مذہب ہے۔

بعض افراد قربانی کو محض گوشت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ بڑے اور بھاری جانور اسی نیت سے خریدے جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ گوشت حاصل ہو سکے، حالانکہ وہی لوگ بعض اوقات قرض کی ادائیگی، زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر واجبات میں غفلت برتتے ہیں۔ اس رویّے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ قربانی کی اصل روح کہیں پسِ پشت چلی گئی ہے اور ذاتی منفعت کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ قربانی کا اصل پیغام اپنی خواہشات پر چھری پھیرنا ہے، نہ کہ صرف دسترخوان سجانا۔ اسی ذہنیت کے تحت بعض لوگ قربانی کا بیشتر گوشت خود ہی سنبھال کر رکھتے ہیں اور غریبوں کو معمولی حصہ دے کر اپنی ذمہ داری پوری سمجھ لیتے ہیں۔ اگرچہ شریعت نے قربانی کا گوشت کھانے اور محفوظ رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن قربانی کو صرف شکم پروری تک محدود کر دینا اس عبادت کے مقصد سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ قربانی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت، تقویٰ اور بندگی کے جذبے کو زندہ کرنے کا نام ہے۔

قرآنِ مجید نے قربانی کی حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے: لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورۃ الحج: ۳۷)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تک نہ جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اس کے حضور بندے کا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں قربانی کی پوری روح سمٹ کر آ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری نمود کو نہیں بلکہ دلوں کے حال کو دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک جانور کی قیمت نہیں بلکہ نیت کی قیمت ہے۔ لہٰذا ہر صاحبِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ قربانی کے موقع پر اپنی نیتوں کا محاسبہ کرے اور اس عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے۔ قربانی ایسی ہو جس میں عاجزی ہو، انکساری ہو، تقویٰ ہو اور خدا ترسی ہو۔ اگر ایک غریب شخص اخلاص کے ساتھ معمولی قربانی پیش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص سے کہیں زیادہ مقبول ہو سکتی ہے جو لاکھوں خرچ کر کے بھی ریاکاری میں مبتلا ہو۔

اگر مسلمان قربانی کی اصل روح کو سمجھ لیں تو یہی عبادت ان کے اندر ایثار، ہمدردی، قربانی اور دین کے لیے جان و مال لٹانے کا جذبہ بیدار کر سکتی ہے۔ یہی جذبہ انسان کو خود غرضی سے نکال کر انسانیت کی خدمت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ قربانی کا پیغام صرف جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ اپنے نفس، غرور، لالچ اور دنیا پرستی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کرنا ہے۔ حقیقی کامیابی یہی ہے کہ قربانی ہمارے دلوں کو بدل دے، ہماری سوچ کو پاکیزہ بنا دے، اور ہمارے اندر اخلاص و تقویٰ کی شمع روشن کر دے۔ اگر اس عبادت کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائے اور اس کی زندگی میں بندگی کا رنگ نمایاں ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ قربانی اپنی اصل روح کے ساتھ ادا ہوئی ہے۔

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قربانی کی حقیقی روح کو سمجھنے، اخلاص و تقویٰ کے ساتھ اس عظیم عبادت کو ادا کرنے، اور ریاکاری و نمود و نمائش سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

* تحریر: محمد فداء المصطفیٰ قادری *
رابطہ نمبر: ۹۰۳۷۰۹۹۷۳۱
پی جی اسکالر: دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرلا

وقت: کامیابی کی کنجی یا ناکامی کا ماتم؟

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی خادم: دارالعلوم انوار مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

(ایک فکر انگیز، اصلاحی، بیدار کن اور لائحۂ عمل پیش کرنے والی تحریر)

انسانی زندگی کی پوری داستان اگر کسی ایک لفظ میں سمیٹی جائے تو وہ "وقت" ہے۔ یہی وقت کسی انسان کو عروج کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے اور یہی اس کی غفلت و بے شعوری کے سبب اسے حسرتوں کی تاریک وادیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ وقت اللہ ربّ العزت کی عطا کردہ وہ بے مثال نعمت ہے جو خاموشی سے انسان کی عمر کو کم کرتی اور اسے اس کے انجام کے قریب لے جاتی رہتی ہے۔ نہ اس کی رفتار کبھی تھمتی ہے، نہ گزرا ہوا لمحہ پلٹ کر واپس آتا ہے، اور نہ آنے والے کل پر کسی انسان کو اختیار حاصل ہے۔ زندگی دراصل سانسوں، لمحوں اور ساعتوں کا ایک ایسا مختصر سفر ہے جس کی ہر گھڑی انسان کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی بن رہی ہے۔ جو شخص وقت کی قدر پہچان لیتا ہے وہ کامیابی، علم، عزت اور روحانی بلندی کی منزلیں طے کر لیتا ہے، اور جو اسے فضولیات، غفلت اور بے مقصد مشاغل کی نذر کر دیتا ہے وہ آخر کار ناکامی، پشیمانی اور محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں کر پاتا۔

وقت دراصل انسان کی زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔ دولت چلی جائے تو دوبارہ کمائی جا سکتی ہے، صحت بگڑ جائے تو علاج ممکن ہے، تعلقات ٹوٹ جائیں تو کبھی نہ کبھی جڑ بھی سکتے ہیں؛ مگر جو وقت ہاتھ سے نکل گیا، وہ قیامت تک واپس نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ عقل نے ہمیشہ وقت کو "زندگی" قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان وقت کو ضائع نہیں کرتا، بلکہ وقت کے ضائع ہونے کے ساتھ اپنی زندگی کے حصے برباد کرتا چلا جاتا ہے۔

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے، اور انسان اس میں ایک مسافر۔۔۔ مسافر اگر راستے میں کھیل تماشے میں ایسا کھو جائے کہ منزل ہی بھول بیٹھے، تو پھر اس کی تھکن بھی بے کار اور اس کا سفر بھی بے سود ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ انسان اگر اپنی زندگی کا مقصد بھول کر وقتی لذتوں، عارضی تفریحوں اور بے فائدہ مشاغل میں گم ہو جائے، تو وہ اپنے اصل مشن سے دور ہو جاتا ہے۔ وقت کی سب سے بڑی بربادی یہی ہے کہ انسان اپنی مقصدِ حیات سے غافل ہو جائے۔

آج کا دور عجیب بے ہنگم مصروفیات کا دور ہے۔ انسان پہلے تھکتا تھا کام سے، اب تھک جاتا ہے فضول مشغولیات سے۔ کبھی گھنٹوں موبائل اسکرین پر انگلیاں چلتی رہتی ہیں، کبھی سوشل میڈیا کی رنگین دنیا انسان کو حقیقت سے کاٹ دیتی ہے، کبھی مختصر ویڈیوز (Shorts/Reels) اور بے مقصد تفریحی چیزیں دل و دماغ پر ایسا سحر طاری کر دیتی ہیں کہ انسان کو وقت کے گزرنے کا احساس تک نہیں رہتا۔ یہ ڈیجیٹل نشہ (Digital Addiction) دراصل ایک دیمک ہے جو ہماری صلاحیتوں کو چاٹ رہا ہے۔ افسوس! آج کا انسان وقت گزارنے کے لیے جیتا دکھائی دیتا ہے، جبکہ اہلِ بصیرت وقت بچانے کے لیے جیتے تھے۔

آج ایک لمحۂ فکریہ یہ بھی ہے کہ موبائل فون نے انسان کو "Connected" تو بہت کر دیا، مگر "Attached" کسی سے نہ رکھا۔ ہزاروں لوگ آن لائن ہیں، مگر دل تنہائی کا شکار ہیں۔ ایک مکمل خاندان ایک ہی گھر میں موجود ہے، مگر ہر شخص اپنی الگ دنیا میں قید ہے۔ بچے والدین کے قریب بیٹھے ہیں مگر ذہنی طور پر دور، اساتذہ درس دے رہے ہیں مگر طلبہ کی توجہ اسکرینوں میں گم، اور عبادت گاہوں میں بھی بعض دل دنیاوی مصروفیات کے اسیر نظر آتے ہیں۔ یہ صرف وقت کا ضیاع نہیں، بلکہ انسان کے باطن کا انتشار بھی ہے۔

ذرا غور کیجیے!

کتنے نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے خواب دیکھے تھے، مگر وقت کی بے قدری نے ان کے خوابوں کو محض حسرت بنا دیا۔ کتنے طلبہ ذہین تھے، مگر موبائل اور فضول مصروفیات نے ان کی توجہ، حافظہ اور صلاحیتیں چھین لیں۔ کتنے گھر ایسے ہیں جہاں ایک ہی چھت کے نیچے رہنے والے افراد ایک دوسرے سے بات کرنے کے بجائے موبائل اسکرینوں میں گم ہیں۔ باپ بیٹے سے دور، ماں اولاد سے بے خبر، اور بھائی بھائی سے کٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ صرف وقت کی بربادی نہیں، بلکہ رشتوں، اخلاق اور احساسات کی بھی بربادی ہے۔

افسوس! آج بعض نوجوان رات بھر جاگنے کو "ماڈرن لائف اسٹائل" سمجھتے ہیں، حالانکہ یہی بے ترتیبی ان کی صحت، عبادت، تعلیم اور ذہنی سکون کو تباہ کر رہی ہوتی ہے۔ فجر قضا، نیند خراب، ذہن منتشر، دل بے چین، طبیعت سست، اور زندگی بے برکت ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیے! جس زندگی سے نظم و نسق ختم ہو جائے، اس سے برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔

قرآنِ کریم نے وقت کی اہمیت کو مختلف انداز میں اجاگر فرمایا۔ کہیں رات اور دن کی قسمیں کھائی گئیں، کہیں عصر کی قسم کھا کر انسان کو خسارے میں بتایا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝﴾

"زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے۔"

گویا وقت اگر ایمان، عملِ صالح، حق کی دعوت اور صبر میں صرف نہ ہو تو یہی وقت انسان کے لیے خسارے کا اعلان بن جاتا ہے۔

غور کیجیے! اللہ تعالیٰ نے "عصر" یعنی وقت کی قسم کیوں کھائی؟ اس لیے کہ انسان کی پوری کامیابی یا ناکامی وقت کے استعمال پر موقوف ہے۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ برف بیچنے والے کی مثال اس انسان کی طرح ہے جس کا سرمایہ (وقت) مسلسل پگھل رہا ہے؛ اگر اس نے بروقت اسے استعمال نہ کیا تو ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا۔

سرکارِ دو عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں: صحت اور فراغت۔"

یہی فراغت جب غفلت بن جائے تو زندگی کا سکون چھین لیتی ہے۔ افسوس! آج نوجوانوں کی اکثریت راتوں کو جاگتی ہے، مگر تہجد کے لیے نہیں؛ موبائل اسکرین کی نیلی روشنی میں اپنی بصارت اور بصیرت دونوں ضائع کر رہی ہے۔ صبحیں سستی میں گزرتی ہیں، دن بے مقصد مشاغل میں، اور راتیں فضول چیزوں میں۔ نہ مطالعہ کا ذوق باقی رہا، نہ عبادت کی لذت، نہ والدین کی خدمت کا احساس، نہ علم حاصل کرنے کی تڑپ۔ وقت کی بے قدری نے انسان سے برکت چھین لی ہے۔

یہ صرف دنیاوی نقصان نہیں، بلکہ روحانی زوال بھی ہے۔ جب انسان کا دل ذکرِ الٰہی سے خالی ہو جاتا ہے تو پھر فضولیات اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ شیطان انسان کو بڑے گناہوں سے پہلے چھوٹے چھوٹے فضول کاموں میں مشغول کرتا ہے، یہاں تک کہ انسان اپنی زندگی کا مقصد ہی بھول جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین "فضول وقت" کو بھی نقصان سمجھتے تھے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"اے ابنِ آدم! تو دنوں کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر جاتا ہے تو تیرا ایک حصہ بھی چلا جاتا ہے۔"

کتنی گہری بات ہے! ہر غروبِ آفتاب ہماری زندگی کے ایک باب کے بند ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ وقت کو کھیل سمجھ کر ضائع کرتے چلے جا رہے ہیں۔

آج اگر کسی نوجوان سے پوچھا جائے کہ تم نے دن بھر کیا کیا؟ تو شاید اس کے پاس کوئی واضح جواب نہ ہو۔ چند گھنٹے چیٹنگ میں، کچھ وقت ویڈیوز میں، کچھ فضول بحثوں میں، کچھ بے فائدہ اسکرولنگ میں... اور یوں قیمتی زندگی لمحہ لمحہ ضائع ہوتی رہتی ہے۔ نفسیاتی ماہرین کا کہنا ہے کہ سوشل میڈیا کی لامتناہی اسکرولنگ انسان کے اندر "فیصلہ کرنے کی قوت" کو کمزور کر دیتی ہے اور اسے ذہنی تناؤ کا مریض بنا دیتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ لوگ موبائل کی بیٹری ختم ہونے پر پریشان ہو جاتے ہیں، مگر اپنی زندگی کی گھٹتی ہوئی "بیٹری" کا احساس نہیں کرتے۔

یہاں ایک اور پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ فضولیات صرف وقت ہی نہیں کھاتیں، بلکہ انسان کی "غیرتِ ایمانی" کو بھی کمزور کرتی ہیں۔ جب نگاہیں بے حیائی پر مشتمل مناظر دیکھنے کی عادی ہو جائیں، زبانیں لغویات بولنے لگیں، اور دل غفلت سے بھر جائے تو پھر عبادت میں خشوع، دعا میں لذت، اور زندگی میں نور باقی نہیں رہتا۔ اس لیے وقت کی حفاظت دراصل ایمان کی حفاظت بھی ہے۔

آج ایک اور خطرناک المیہ یہ بھی ہے کہ نوجوان "مصروف" تو بہت ہیں مگر "مفید" نہیں۔ سارا دن تھکن محسوس ہوتی ہے، مگر کوئی قابلِ ذکر کام انجام نہیں پاتا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ وقت منتشر ہو چکا ہے۔ ذہن ٹکاؤ کھو چکا ہے۔ توجہ بکھر چکی ہے۔ اور جس انسان کی توجہ بکھر جائے، اس کی شخصیت بھی بکھر جاتی ہے۔

یاد رکھیے! وقت صرف "دنیا" بنانے کے لیے نہیں، بلکہ "آخرت" سنوارنے کے لیے بھی ملا ہے۔ قیامت کے دن انسان سے جن چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا، ان میں عمر اور وقت سب سے اہم ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بندۂ مومن کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے اس کی عمر کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے کہ اسے کہاں گزارا۔

سوچیے! اگر زندگی کا ہر لمحہ ریکارڈ ہو رہا ہے تو ہم اپنے اوقات کا کیا جواب دیں گے؟ وہ گھنٹے جو فضول ویڈیوز میں گزر گئے، وہ راتیں جو بے مقصد جاگنے میں ضائع ہو گئیں، وہ لمحات جو گناہوں اور غفلت میں بیت گئے... کیا ان کا کوئی حساب نہ ہوگا؟ ہمارے کندھوں پر بیٹھے فرشتے ہماری اسکرولنگ اور ہماری گفتگو کے ایک ایک حرف کو لکھ رہے ہیں۔ کیا ہمارا "نامۂ اعمال" "فضول کلپس اور بے معنی پیغامات سے بھرا ہوا ہوگا؟

قبرستان کی خاموش قبریں بھی انسان کو یہی پیغام دیتی ہیں کہ "جو وقت تمہارے پاس ہے، کل ہمارے پاس تھا؛ اور جو انجام ہمارا ہے، کل تمہارا ہوگا۔" مگر افسوس! انسان جنازہ دیکھ کر بھی چند لمحوں بعد دوبارہ غفلت کی دنیا میں لوٹ جاتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے وقت کی قدر کی، دنیا نے انہی کو یاد رکھا۔ ائمہ، محدثین، اولیاء، مصلحین اور بڑے بڑے علماء اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ کو قیمتی سمجھتے تھے۔ امام نووی کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی علم و عبادت میں ایسی لگن سے گزاری کہ وقت ضائع کرنا گوارا نہ تھا۔ ہمارے اسلاف راستوں میں بھی مطالعہ کرتے، سفر میں بھی ذکر کرتے اور فرصت کو بھی عبادت بناتے تھے۔ امام ابن جوزی فرماتے تھے:

"مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ بے مقصد بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، کاش میں ان سے وقت خرید سکتا!"

آج ہم فرصت کو فتنہ بنا چکے ہیں۔

ایک بزرگ نے فرمایا:

"وقت تلوار کی مانند ہے، اگر تم نے اسے نہ کاٹا تو وہ تمہیں کاٹ دے گا۔"

واقعی وقت ایک خاموش قاتل بھی ہے؛ جو انسان کو بغیر شور کیے قبر کے قریب کرتا رہتا ہے۔ اس لیے عقلمند وہی ہے جو ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن سمجھ کر گزارے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ کی زندگی پر نظر ڈالیے؛ کس قدر عظیم علمی ذخیرہ چھوڑا، ہزاروں فتاویٰ تحریر فرمائے، سینکڑوں کتابیں لکھیں، مگر وقت کی تنظیم ایسی تھی کہ لمحہ لمحہ علم، عبادت اور خدمتِ دین میں گزرتا تھا۔ یہی حال امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور دیگر اکابرینِ امت کا تھا کہ انہوں نے وقت کو ضائع نہیں ہونے دیا، اسی لیے ان کی زندگیاں رہتی دنیا تک چراغِ راہ بن گئیں۔

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ وقت کی بربادی صرف فرد کو نہیں بلکہ پوری قوم کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ جو قومیں علم، محنت اور نظمِ وقت (Time Management) سے جڑ گئیں وہ ترقی کر گئیں، اور جو غفلت، سستی اور فضولیات میں ڈوب گئیں وہ زوال کا شکار ہو گئیں۔ آج امتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب میں ایک بڑا سبب وقت کی ناقدری بھی ہے۔

آج ضرورت صرف نصیحت سننے کی نہیں، بلکہ عملی تبدیلی کی ہے۔ اگر ہم واقعی اپنی زندگی بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں چند عملی فیصلے کرنے ہوں گے: دن کا آغاز نمازِ فجر اور تلاوتِ قرآن سے کیجیے۔۔۔

موبائل کے غیر ضروری استعمال کے لیے وقت مقرر کیجیے۔۔۔ سونے سے پہلے کم از کم آدھا گھنٹہ مطالعہ کی عادت اپنائیے۔۔۔ ہر روز اپنے وقت کا مختصر جائزہ لیجیے۔۔۔ ایسے دوست اختیار کیجیے جو آپ کو مقصدِ زندگی یاد دلائیں۔۔۔ فضول بحث، بے فائدہ ویڈیوز اور گناہ والے مواد سے فوراً دور ہو جائیے۔۔۔ والدین، اساتذہ اور اہلِ خانہ کے ساتھ وقت گزارنے کو عبادت سمجھیے۔۔۔

اپنے بچوں کی تربیت میں "وقت کی پابندی" کو لازمی حصہ بنائیے۔۔۔

مدارس و تعلیمی اداروں کے ذمہ داران بھی طلبہ میں موبائل کے بے جا استعمال کے خلاف مؤثر نظام بنائیں، تاکہ نئی نسل کا علم، اخلاق اور توجہ محفوظ رہ سکے۔۔۔

ہر ہفتے ایک "ڈیجیٹل فری گھنٹہ" ضرور رکھیے جس میں موبائل سے مکمل دوری اختیار کی جائے۔۔۔

روزانہ کچھ وقت تنہائی میں اپنے مقصدِ حیات، آخرت اور اعمال کے محاسبہ کے لیے نکالیے۔۔۔

اپنے موبائل میں ایسے دینی، علمی اور اصلاحی ذرائع شامل کیجیے جو وقت کو نفع بخش بنا دیں۔۔۔

سستی، ٹال مٹول (Procrastination) اور "بعد میں کر لوں گا" جیسی عادتوں کو زندگی سے نکال باہر کیجیے؛ کیونکہ بہت سے خواب صرف اس لیے مر جاتے ہیں کہ انسان عمل کو کل پر ٹالتا رہتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اوقات کا محاسبہ کریں۔ موبائل ہمارے ہاتھ میں ہو، ہم موبائل کے ہاتھ میں نہ ہوں۔ سوشل میڈیا استعمال کریں، مگر اس کے غلام نہ بن جائیں۔ اگر یہی موبائل علم، دین، دعوت، مطالعہ اور مثبت کاموں کے لیے استعمال ہو تو نعمت ہے، ورنہ یہی نعمت زحمت بن جاتی ہے۔ ہمیں "ڈیجیٹل ڈائیٹ" (Digital Diet) اپنانے کی ضرورت ہے، یعنی صرف وہی دیکھیں جو ہمیں فائدہ دے۔

اپنی زندگی کو منظم بنائیے۔ نمازوں کی پابندی کیجیے کہ یہ وقت کی پابندی کا بہترین تربیتی کورس ہے۔ مطالعہ کا وقت مقرر کیجیے، والدین کے ساتھ وقت گزاریے، دینی و دنیاوی علم حاصل کیجیے، فضول صحبت اور بے مقصد مشاغل سے بچیے، اور ہر رات سونے سے پہلے اپنے دن کا حساب لیجیے کہ آج کا وقت کہاں خرچ ہوا؟

یاد رکھیے!

گزر جانے والا وقت واپس نہیں آتا۔

بولے ہوئے الفاظ لوٹ سکتے ہیں، خرچ کیا ہوا مال دوبارہ کمایا جا سکتا ہے، مگر گزرا ہوا لمحہ کبھی واپس نہیں ملتا۔ وقت ایک ایسی دولت ہے جسے آپ جمع نہیں کر سکتے، صرف خرچ کر سکتے ہیں؛ اب یہ آپ پر ہے کہ اسے "راکھ" میں اڑاتے ہیں یا اس سے "ہیرا" تراشتے ہیں۔

زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کی عمر لمحوں میں گھٹتی رہتی ہے۔ قبر کی طرف سفر جاری ہے، مگر ہم دنیا کی رنگینیوں میں ایسے کھوئے ہوئے ہیں جیسے ہمیشہ یہیں رہنا ہو۔ موت روزانہ ہمارے سامنے دوسروں کو لے جا رہی ہے، مگر ہم سبق لینے کے بجائے مزید غفلت میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔ دانش مند وہی ہے جو موت سے پہلے جاگ جائے، اپنے وقت کو قیمتی بنا لے، اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ڈھال لے۔

کاش! ہم یہ سمجھ لیں کہ کامیاب انسان وہ نہیں جس کے پاس صرف دولت زیادہ ہو، بلکہ کامیاب وہ ہے جس کا وقت قیمتی کاموں میں گزرے۔ بعض لوگ کم وسائل کے باوجود تاریخ میں زندہ رہتے ہیں، اور بعض بے شمار سہولیات کے باوجود گمنامی میں کھو جاتے ہیں۔ فرق صرف "وقت کے استعمال" کا ہوتا ہے۔

آج اگر ہم نے وقت کی قدر نہ کی تو کل یہی وقت ہمارے لیے ناکامی کا ماتم بن جائے گا۔ زندگی کی گھڑی مسلسل چل رہی ہے، سانسیں کم ہو رہی ہیں، موت قریب آ رہی ہے، اور ہم غفلت کے حصار میں کھڑے ہیں۔ عقل مند وہی ہے جو جاگ جائے، سنبھل جائے اور اپنے وقت کو قیمتی بنا لے۔ آخر میں اپنے دل سے ایک سوال ضرور کیجیے:

"اگر آج میری زندگی کا آخری دن ہو، تو کیا میں اپنے گزرے ہوئے وقت سے مطمئن ہوں؟"

اگر جواب "نہیں" ہے، تو یہی لمحہ تبدیلی کا آغاز بن سکتا ہے۔

آئیے! بصدقِ دل آج ہی عہد کریں کہ ہم اپنے وقت کو علم، عبادت، خدمتِ خلق، والدین کی اطاعت، اصلاحِ نفس اور دینِ اسلام کی خدمت میں صرف کریں گے۔ اپنے بچوں کو وقت کی قدر سکھائیں گے، اپنے گھروں کو موبائل کی خاموشی کے بجائے محبت، علم اور ذکرِ الٰہی کی آوازوں سے آباد کریں گے، اور اپنی زندگی کو ایسا بنائیں گے کہ کل جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں تو شرمندگی کے بجائے اطمینان نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کی قدر کرنے، اپنی زندگی کو مفید بنانے، فضولیات سے بچنے، علم و عمل کی دولت سے مالا مال ہونے، اور دین و دنیا کی حقیقی کامیابی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

9
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
فکرونظر
14/مئی 2026 مطابق 26/ذی القعدہ 1447ھ / 31 گتے بیساکھ 2083

میڈیا اور قلم کی طاقت

ازقلم نوشاد احمد قادری میڈیا انچارج
علماء فاؤنڈیشن نیپال، کپلوستو

° قوموں کی بقا اور شعور کی سب سے بڑی قوت °

دنیا کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ تلواریں صرف جسموں کو زیر کر سکتی ہیں مگر قلم دلوں اور ذہنوں کو مسخر کرتا ہے
طاقت کے بے شمار مظاہر دنیا میں دیکھے گئے، مگر جو اثر ایک سچے قلم، ایک بامقصد تحریر اور ایک باکردار میڈیا نے چھوڑا، وہ شاید کسی اور قوت نے نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا دور "میڈیا کا دور" کہلاتا ہے، جہاں ایک خبر حکومتوں کو ہلا دیتی ہے، ایک تحریر انقلاب برپا کر دیتی ہے، اور ایک آواز پوری دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔
قلم دراصل محض روشنائی کا نام نہیں، بلکہ یہ شعور، فکر، بیداری اور اصلاح کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔
قرآنِ کریم نے بھی قلم کی عظمت کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا:
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ
یعنی: "قسم ہے قلم کی اور اُس چیز کی جو لوگ لکھتے ہیں۔" یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام نے علم، تحریر اور فکری بیداری کو کس قدر اہمیت عطا فرمائی ہے۔
اسلامی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ علماء، محدثین، فقہاء اور مصنفین نے اپنے قلم کے ذریعے امت کی ایسی رہنمائی فرمائی کہ صدیوں گزر جانے کے باوجود ان کی تحریریں آج بھی روشنی بانٹ رہی ہیں۔
آج کے دور میں میڈیا ایک ایسی طاقت بن چکا ہے جو قوموں کے افکار، نظریات، ترجیحات اور حتیٰ کہ تہذیب و ثقافت کو بھی بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
اگر میڈیا حق، اخلاق، دیانت اور اصلاح کے راستے پر چل پڑے تو معاشرہ سنور جاتا ہے، اور اگر یہی میڈیا جھوٹ، فحاشی، تعصب اور بے حیائی کا ذریعہ بن جائے تو نسلوں کی تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔
افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اس میدان میں وہ سنجیدگی نہیں دکھائی جس کی ضرورت تھی۔
حالانکہ آج دشمن تلوار سے زیادہ میڈیا کے ذریعے حملہ آور ہے۔
وہ فلموں، خبروں، سوشل میڈیا، ڈراموں اور پروپیگنڈے کے ذریعے ذہنوں کو بدل رہا ہے، تاریخ کو مسخ کر رہا ہے، اور نئی نسل کو اپنی تہذیب سے دور کر رہا ہے۔
ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ میڈیا کی طاقت کو سمجھیں اور قلم کی اہمیت کو محسوس کریں۔
صرف مدارس، مساجد اور اجتماعات کافی نہیں، بلکہ اب: اخبارات کی ضرورت ہے،
ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کی ضرورت ہے،
یوٹیوب چینلز کی ضرورت ہے،
مثبت صحافت کی ضرورت ہے،
اور ایسے قلم کاروں کی ضرورت ہے جو حق لکھنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔
خصوصاً نیپال جیسے ملک میں، جہاں مسلمان ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں، وہاں میڈیا اور قلم کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ اگر مسلمان خود اپنی صحیح نمائندگی نہیں کریں گے تو دوسروں کی بیان کردہ تصویر ہی حقیقت سمجھ لی جائے گی۔
اس لیے ضروری ہے کہ نوجوان نسل صحافت، تحریر، تحقیق، ویڈیو ایڈیٹنگ، سوشل میڈیا مینجمنٹ اور ڈیجیٹل میڈیا کے میدان میں آگے آئے۔
یاد رکھنا چاہیے کہ ایک اچھا قلم
نفرت کو محبت میں بدل سکتا ہے،
جہالت کو علم میں تبدیل کر سکتا ہے،
مایوسی کو امید میں بدل سکتا ہے،
اور بکھری ہوئی قوم کو متحد کر سکتا ہے۔
آج امت کو ایسے قلم کاروں کی ضرورت ہے جو:
سچ لکھیں، حق بولیں، قوم کی ترجمانی کریں، نوجوانوں کی رہنمائی کریں، اور دین و ملت کے مسائل کو حکمت اور بصیرت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں۔
یہ بھی حقیقت ہے کہ قلم ایک امانت ہے۔
اسے جھوٹ، بہتان، کردار کشی اور فرقہ واریت کے لیے استعمال کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔
ایک ذمہ دار صحافی اور قلم کار وہی ہے جو اپنے لفظوں کو قوم کی اصلاح، انسانیت کی بھلائی اور حق کی سربلندی کے لیے استعمال کرے۔
آج اگر مسلمان میڈیا کے میدان میں مضبوط ہو جائیں، تو وہ اپنی تہذیب، عقیدہ، ثقافت اور دینی تشخص کی حفاظت بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔
اسی لیے وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کو صرف تقریر نہیں بلکہ تحریر بھی سکھائیں، صرف سننا نہیں بلکہ سوچنا بھی سکھائیں، اور صرف جذبات نہیں بلکہ شعور بھی دیں۔
اللہ تعالیٰ ہمیں قلم کی حرمت کو سمجھنے، میڈیا کو خیر و اصلاح کا ذریعہ بنانے، اور اپنی تحریروں کو حق و صداقت کی آواز بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

www.nepalurdutimes.com

فضائی آلودگی اور احتیاطی تدابیر

انجینئر محمود اقبال
+91 ٦٣٠٩٧٢٧٩٥١

فضائی آلودگی فضاء میں یا ہوا میں معلق مضر صحت ٹھوس، سیال اور گیسی ذرات کا ایک مرکب ہے۔ جب ہوا میں نقصان دہ گیسیں، دھواں، گرد و غبار اور کیمیاوی ذرات شامل ہو جائیں تو انسان، جانوروں اور حتیٰ کہ نباتات کے لیے بھی عذاب جان بن جاتے ہیں اور سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ آلودگی کے نقصانات میں سانس کی بیماریاں جیسے دمہ، کھانسی اور الرجی وغیرہ ہیں۔ دل کے امراض، آنکھوں اور گلے میں جلن کا روگ۔ ساتھ ہی ساتھ جانوروں اور پیڑ پودوں کے لیے بھی یہ نقصان دہ ہے۔
تازہ و خالص آکسیجن گیس کرہ ارض پر نہ صرف انسانی زندگی بلکہ تمام حیاتیاتی نباتاتی و زمینی انفرا اسٹرکچر کے دوام کی ضامن ہے۔ کرہ ارض کا ٤٥ فیصد حجم آکسیجن (O_2) گیس پر مشتمل ہے جو زمین کو سالم حالت میں رکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ورنہ پورا کرہ ارض خس و خاشاک کی طرح اڑ کر فضاء میں تحلیل ہو جاتا۔ پانی (H_2O) دو گیسس سے بنی ہے، آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ یعنی، دو سالمات ہائیڈروجن کے اور ایک سالمہ آکسیجن کا۔ اگر پانی کے سالمات میں سے آکسیجن علحدہ ہو جائے تو ہائیڈروجن ہلکی ہونے کے سبب فضا میں اڑ جائے گی اور پورا کرہ ارض دھول و مٹی کا غبارہ بن کر رہ جائے گا۔ اوزون گیس (O_3) آکسیجن ہی کا سالمہ ہے، اور آکسیجن کے تین ذرات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اوزون (Ozone) کی پرت سورج سے آنے والی مضر صحت (Ultra-Violet) الٹراوائلٹ کرنوں کو فضا ہی میں روک دیتی ہے ورنہ زمین پر انسانی زندگی نیست و نابود ہو جاتی۔ فضا میں اوزون کی پتلی پرت پورے کرہ ارض کا احاطہ کرتی ہے لیکن اس میں بھی رخنے پڑ چکے ہیں اور ان سوراخوں میں سے سورج کی مضر صحت الٹرا وائلٹ کرنیں زمین تک پہنچنے لگی ہیں۔
سب سے پہلے ہم یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تازہ و صاف ہوا کیا ہے؟ کرہ ارض کی فضا میں دو اہم گیسس نائٹروجن (N_2) اور آکسیجن (O_2) کا وجود ہے جو بالترتیب ٧٨ فیصد اور ٢١ فیصد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بقیہ ایک فیصد میں آرگن (Ar)، کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2)، میتھین (CH_4)، ہائیڈروجن (H_2) اور۔۔۔ (He) گیسس شامل ہیں۔ مزید برآں اس کے علاوہ پانی کی رطوبت ہے جو ٠٫٠١ سے ٤ فیصد کے درمیان ہے۔ اگر یہ ۵ فیصد کے قریب ہو جائے تو فضا کو بہت ہی رطوبت پذیر کہا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا مربوط نظام قدرتی ہے اور زمین پر انسانی، حیاتیاتی و نباتاتی زندگی اور انفرا اسٹرکچر کا ضامن ہے۔ اگر یہ توازن بگڑ جائے یا آلودہ ہو جائے تو وہ نہ صرف انسانی صحت پر مضر اثرات مرتب کرتا ہے بلکہ موت سے بھی قریب سے قریب تر کرتا جاتا ہے۔ ہوائی آلودگی کی وجہ سے انسان کو سانس لینے میں دشواری اور تکلیف ہوتی ہے اور وہ جانی و انجانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔
ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے ایک سروے کے مطابق ہر سال قریب ٤٥ لاکھ لوگ فضائی یا ہوائی آلودگی جس میں اندرونی و بیرونی دونوں عوامل شامل ہیں کا شکار ہو کر وقت سے پہلے ہی موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایک اور مستند رپورٹ کے مطابق زمین پر ١٠ میں سے ٩ لوگ آلودہ سانس لینے پر مجبور ہیں۔ اس گھمبیر ہوتی ہوئی صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کے اسباب و سدباب کیا ہیں؟ پوری دنیا میں فضائی آلودگی، صوتی آلودگی، موسمیاتی تبدیلیوں، گرین ہاؤس گیسس اور گلوبل وارمنگ کو لے کر شور برپا ہے۔ پوری دنیا فکرمند ہے۔
ہماری خالص و تازہ ہوا یا فضا کن چیزوں، مرکبات یا گیسس سے آلودہ ہو رہی ہے؟ اس کی ٣ بڑی وجوت ہیں۔ زمین سے فضا میں مختلف مضر صحت گیسس کا اخراج، انتہائی چھوٹے ٹھوس ذرات کا زمین سے فضا میں شامل ہونا اور مائع یا سیال انتہائی خفیف ذرات، سائنسی زبان میں ائروسولس (Aerosols) کہتے ہیں ان کا ہوا میں منتشر یا اڑ کر فضا میں شامل ہونا ہے۔ عالمی موسمیاتی ادارے (WMO)، کے ایک افسر لورنزو لیبر اڈور کے مطابق جنگلات میں لگنے والی یا لگائی جانی والی آگ سے پیدا ہونے والے دھویں کے ذرات فضائی آلودگی کا ایک بڑا سبب ہیں۔
اس مختصر سے اور عام فہم زبان میں فضائی آلودگی کے پس منظر کو سمجھنے کے بعد ہم یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر زمین کی فضا کب سے اور کیسے آلودگی کا شکار ہونے لگی ہے؟ بات ١٧٥٠ عیسوی کے صنعتی انقلاب سے شروع ہوتی ہے جب یورپ نے ایک نئی کروٹ لی اور صنعت و حرفت کے میدان میں ایک ایسا انقلاب آیا جو آگے چل کر عذاب جان بن گیا جو آج یعنی ٢١ وی صدی میں اپنے بام عروج پر ہے اور عذاب جان بن چکی ہے۔ صنعتی انقلاب نے جہاں انسان کو ایک نئی جہت دی، وہیں اس کے منفی پہلوؤں و مضر اثرات نے انسانوں کو شش و پنج میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ صرف ثمرات کو سمیٹنے میں انسان کی توجہ رہی لیکن انسانی صحت و ماحولیات و قدرتی نظام پر اس کے کیا منفی اثرارت پڑھ رہے تھے اس سے انسانوں نے پہلو تہی کی اور نظر انداز کیا یا بالکل ہی سمجھ نہیں پائے۔ لیکن آج دنیا اس گمبھیر ہوتی ہوئی صورتحال کو اچھی طرح سے سمجھ چکی ہے اور اس پر ریسرچ، آگہی، اسباب و سدباب کے تمام ممکنہ اقدامات عالمی سطح پر اٹھائے جارہے ہیں۔
انفرادی طور پر ہم کیا احتیاطی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں؟ گھر میں درخت اور پودے لگائیں۔ اگر فلیٹ ہو تو اسمیں انڈور آکسیجن پلانٹس لگائیں۔ سولار اور ونڈ انرجی کو ترجیح دیں۔ گھروں یا گلیوں میں کچرا کوڑا کرکٹ جلانے سے ہرہیز کریں۔ گھر کو صاف ستھرا رکھیں، دھول مٹی سے بچیں۔ موسم جب باہر اچھا ہو تو کھڑکیاں کھلی رکھیں۔ ٹریفک سے دور رہیں۔ گھر ہی میں ہلکی پھلکی ورزش کریں۔ باغ و چمن میں کچھ وقت گزاریں۔ لمبی لمبی سانسیں لیں۔ چہل قدمی اور کچھ دیر ننگے پاؤں گھانس پر چلیں۔ اللہ اگر توفیق دے اور صاحب ثروت ہوں تو، گھر اور کچن میں الیکٹرانک چمنی، واٹر فلٹر، فریش ایئر انٹیک، کا انتظام کریں۔

Engineer Mahmood Iqbal
Mobile: 6309727951
Jaweed Villa-Ground Floor
H. No. 12-2-419 / A / 3 / 1
Alapati Nagar, Mehdipatnam
Hyderabad, 500028
Telangana, India

حج جسمانی ومالی عبادت ہے

اسلام میں عبادات کی اقسام
محترم قارئین کرام حج بیت اللہ جسمانی ومالی عبادت کیسے ہے اس کو جاننے کیلئے ہمیں سب سے پہلے عبادت کی اقسام کو جاننا بیحد ضروری ہے عبادت کا فائدہ عبادت کی اقسام کے ادراک کے بغیر کسی بھی عبادت کی تعظیم وادب واحترام وروحانی سکون نہیں پاسکتے لھٰذا اسلام نے عبادات کو جسمانی، مالی اور مشترکہ اقسام میں خوبصورتی سے تقسیم کیا ہے۔ اللہ پاک نے جن و انس کو پیدا کرنے کا مقصد سورۃ الذاریات آیت ٥٦ میں بیان کیا ہے: ترجمہ کنزالایمان، میں نے جن و آدمی اتنے ہی اس لئے بنائے کہ میری بندگی کرے، یعنی زندگی کا مقصد ہی عبادت ہے، مگر یہ عبادت کئی صورتوں میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ قربانی صدقات واجبہ و نافلہ سچائی امانت کی ادائیگی والدین سے حسن سلوک رشتہ داروں سے نیکی یتیموں مسکینوں مسافروں اور زیردست انسانوں اور جانوروں کے ساتھ بھلائی نیز دعا ذکر قرائت وغیرہا عبادات ہیں اور عبادت کا یہ پہلو بھی دعوتِ انبیاء کا
بنیادی عنوان ہے یہ پوری کائنات اور کائنات کی ہر ہر چیز اللہ رب العزت کی عبادت گزار ہے البتہ عبادت کا طریقہ ہر مخلوق کے لئے الگ الگ ہے پارہ پندرہ سورہ بنی اسرائیل آیت ٤٤ میں اللہ پاک نے فرمایا۔ ترجمہ کنزالایمان، اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی، اس کی پاکی نہ بولے، ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ سورۃ الحج آیت ١٨ سورہ فصلت آیت ١١ سورۃ الانبیائ ٢٠،١٩ اور سورۃ التحریم آیت ٦ میں عبادت کا ذکر موجود ہے اور بھی متعدد آیات قرآنی موجود ہیں بس تحریر کو مختصر کرنا ہے۔
زکوٰۃ، نماز، حج قربانی یہ وہ عبادات ہیں جن میں جسمانی محنت اور بدنی مشقت شامل ہوتی ہے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، جنھیں ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے۔ (پہلا) کلمہ شہادت پڑھنا (دوسرا) نماز قائم کرنا (تیسرا) زکوٰۃ دینا (چوتھا) رمضان المبارک کے روزے رکھنا (پانچواں) بیت اللہ کا حج کرنا ہے۔
پانچوں بنیادوں کو ہم اچھی طرح سمجھیں گے اسی میں ہمیں عبادت کی قسمیں معلوم ہوں گی پہلی بنیاد کلمہ پڑھنا ہے جو زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا ہے کہ اللہ پاک ایک ہے حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں
نماز پڑھنا جسمانی عبادت ہے۔
نماز پڑھنا جسمانی عبادت ہے جو دن میں پانچ بار ادا کی جاتی ہے۔ اس میں قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، مکمل جسم شامل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ خالص جسمانی عبادت ہے روزہ صبر کا عملی مظاہرہ ہے۔ روزے میں کھانے پینے، خواہشات اور گناہوں سے جسمانی طور پر پرہیز کیا جاتا ہے۔ روزہ نفس کی تربیت اور صبر کا عملی مظاہرہ ہے اور یہ عبادت جسمانی مشقت سے تعلق رکھتی ہے، اور روح کو پاکیزہ بناتی ہے۔ اس میں جسمانی برداشت، صبر، اور خود پر قابو کی تربیت ہے
حج بیت اللہ۔ سفر، احرام، طواف، سعی، عرفات میں قیام، رمی یہ سب جسمانی اعمال ہیں۔
ساتھ ہی سفر، رہائش، قربانی وغیرہ کے اخراجات اس میں مالی پہلو بھی شامل ہے
اسی لیے کہا جاتا ہے کہ: نماز جسمانی عبادت ہے، زکوٰۃ مالی عبادت ہے، اور حج دونوں کا مجموعہ ہے۔
زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ سال گزرنے پر مال کی مخصوص مقدار اللہ کی راہ میں دینا فرض ہے۔ یہ دل سے مال کو نکالنے کی مشق ہے کہ ہم دنیا کے بندے نہیں بلکہ ہم اللہ پاک کے بندے ہیں۔ اور صدقہ، فدیہ، کفارہ، نذر، قربانی، یہ سب مالی عبادات ہیں جو ہمارے مال کو پاک اور معاشرے کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ راہِ خدا میں مال خرچ کرنا عبادت ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ رضا شامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے، زکوٰۃ، اسلام کا مالی نظام ہے جو سماجی توازن قائم رکھتا ہے۔
قربانی مشترکہ عبادت ہے۔ قربانی کے لئے جانور خریدنا مالی عمل ہے، اس کا ذبح کرنا جسمانی عمل ہے، نیت اور اللہ کی رضا کے لئے کرنا یہ روحانی عمل ہے۔ حج و قربانی وہ عبادات ہیں جن میں انسان مکمل طور پر اللہ کے حضور جھک جاتا ہے یعنی مال بھی، جسم بھی، اور دل بھی۔
اسلام میں عبادات کا روحانی نظام
اسلام ہمیں متوازن زندگی سکھاتا ہے: نہ صرف روحانی، بلکہ جسمانی و مالی تربیت بھی۔ نہ صرف مسجد میں، بلکہ بازار، گھر، میدانِ عرفات یہاں تک کہ ہر جائز جگہ بندگی کا سبق دیتا ہے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے اس لئے کہ اللہ پاک نے سورہ انعام آیت نمبر ١٦٢ میں اپنے حبیب صاحب لولاک ہمارے پیارے وآخری نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا۔ اِن صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" تم فرمائو بے شک میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اسلامی عبادات کا مقصد صرف رسم و رواج کی تکمیل نہیں بلکہ ان کے ذریعہ انسان کے اندر روحانیت اخلاق قربانی صبر مساوات ہمدردی اتحاد ہے اور ان عبادات کا حقیقی اثر اس وقت پڑے گا جب ہم ان کے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ باطنی پیغام کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنائیں گے

تحریر۔ محمد توحید رضا بنگلور
امام مسجد رسولُ اللہ ﷺ خطیب۔ مسجد رحیمیہ میسور روڈ بنگلور مہتمم دارالعلوم حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نوری فاؤنڈیشن بنگلور
نائب صدر نوری فاؤنڈیشن علماء فیڈریشن کرناٹک
رابطہ۔ ٩٨٨٦٤٠٢٧٨٦

جامع اشرف کچھوچھہ شریف کے نصف درجن فارغین جامعہ الازہر مصر کے لئے ہوئے روانہ

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز
سنت کبیر نگر / امبیڈکر نگر
(اخلاق احمد نظامی)

جامع اشرف کچھوچھہ شریف ضلع امبیڈکر نگر اتر پردیش ملک ہندوستان کے قدیم اور مرکزی درسگاہوں میں سے ایک ہے جو ایک عرصۂ دراز سے اعلیٰ دینی و عصری تعلیم کے لئے بلندیوں کو چھو رہا ہے ساتھ ہی دین و سنیت کی خدمت اور مخدومی مشن کو ہر خاص و عام تک پہونچانے میں منہمک ہے
اسی دوران گزشتہ روز جامع اشرف کچھوچھہ شریف میں اس وقت مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی جب یہ مبارک خبر ملی کہ جامع اشرف کے نصف درجن فارغ التحصیل طلبہ بالترتیب ١- کیف رضا بن محمد عیسی کشن گنج بہار ٢- ابوحذیفہ بن محمد ہاشم مہراج گنج یوپی ٣- محمد کیف خان بن محمد عیسی امبیڈکر نگر یوپی ٤- انتظار بن اقرار رامپور یوپی ٥- محمد مجاہد رضا بن محمد خالد انصاری ناگپور مہاراشٹر ٦- محمد سرفراز عالم بن محمد امین پریاگ راج یوپی کا نام دنیا کی قدیم اور تاریخی یونیورسٹی جامعہ الازہر مصر میں داخلہ کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے اس خبر کے عام ہوتے ہی جامع اشرف کے ذمہ داران اساتذہ طلبہ اور ادارہ کے خصوصی معاونین مسرت و شادمانی میں جھوم اٹھے آج جب جامع اشرف کے فارغین کا یہ کارواں جامعہ الازہر مصر کے لئے روانہ ہوا تو جامع اشرف کے سرپرست قائد ملت، سفیر امن و محبت، انتخاب سرکار کلاں حضرت علامہ سید محمود اشرف اشرفی

جیلانی سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف، ناظم اعلیٰ مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا قمر احمد اشرفی، شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی قمر عالم قادری اور پرنسپل حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الخالق اشرفی نے ادارہ کے سبھی منتخب فارغین کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ الازہر میں داخلہ ملنا ایک بہت بڑا اعزاز اور علمی سفر کا ایک شاندار سنگ میل ہے۔ اس عظیم اور تاریخی درسگاہ میں نام آنے پر آپ کو دلی مبارکباد یہ کامیابی آپ کی محنت، لگن اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ مذکورہ علماء و مشائخ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ آپ کو علومِ اسلامیہ کے مرکز میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا کیونکہ الازہر میں داخلہ محض ایک تعلیمی ڈگری نہیں، بلکہ یہ روایت، علم اور بصیرت کا ایک ایسا ورثہ ہے جو آپ کو امتِ مسلمہ کی خدمت کے لیے تیار کرے گا اخیر میں علماء و مشائخ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل اور مخدوم ملت علیہ الرحمہ کے فیض کے سایہ تلے آپ کے لیے علم کے یہ راستے آسان فرمائے، آپ کو صحیح معنوں میں علمِ نافع حاصل کرنے کی توفیق دے اور آپ کو آنے والے وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ بنائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس باوقار ادارے سے وابستگی آپ لوگوں کے لیے علم و حکمت کے نئے دروازے کھولے گی۔
یہ اطلاع جامع اشرف کے شعبۂ ثانویہ ازہریہ کے استاذ مولانا شاھد رضا ازھري نے دی اور کہا کہ جملہ اساتذۂ کرام کی محنت اور انتظامیہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم یہ مبارک دن دیکھ رہے ہیں انہوں نے بتایا کہ جامع اشرف میں تین سالہ جامعہ الازہر کا نصاب" ثانویہ ازہریہ" کا شعبہ قائم ہے جس کا معادلہ جامعہ الازہر مصر سے ہو چکا ہے،
جامعہ الازہر مصر میں اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے خواہش مند طلبہ ہر سال ١١/ شوال کو ہونے والے ٹیسٹ میں کامیابی حاصل کر کے مذکورہ شعبہ میں داخلہ لے سکتے ہیں اور جامعہ ازہر جانے کے مستحق بن سکتے ہیں. اس موقع پر جامعہ الازہر مصر میں داخلہ کے لیے منتخب علمائے جامع اشرف کو علماء، مشائخ حفاظ و قراء نیز محبین اور معتقدین نے مبارکباد دی اور نیک خواہشات کا اظہار کیا، اور دعا کی کہ اللہ رب العزت جامع اشرف کو مزید ترقیوں سے ہمکنار فرمائے اور حضور قائد ملت کے علم و عمل، صحت اور عمر میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے، اور اس ادارے کو شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے، اور اسے علم دین کی اشاعت کا مضبوط مرکز بنائے۔
پروگرام کا اختتام صلوۃ و سلام اور دعا سے ہوا

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ٹوٹتے رشتے، بدلتی ترجیحات:

ازدواجی زندگی کا نیا منظرنامہ

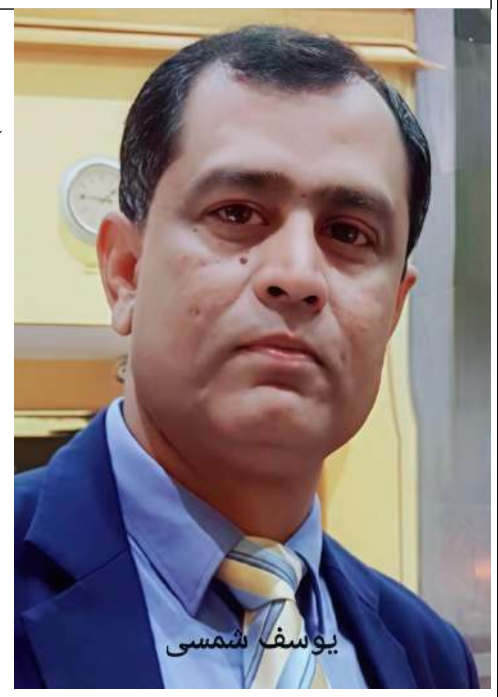

تحریر: یوسف شمسی
رابطہ: ۹۱۶۲۲۱۶۵۶۰

ازدواجی زندگی انسان کے لیے محض ایک سماجی معاہدہ نہیں بلکہ جذبات، ذمہ داریوں، قربانیوں اور باہمی اعتماد پر قائم ایک نہایت نازک رشتہ ہے۔ شادی دو افراد کے ساتھ ساتھ دو خاندانوں، دو تہذیبوں، دو مزاجوں اور دو مختلف تربیتوں کا ملاپ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رشتے کو کامیابی سے نبھانے کے لیے صرف محبت کافی نہیں بلکہ صبر، برداشت، سمجھ داری اور مستقل مزاجی بھی ضروری ہوتی ہے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور میں یہ رشتہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ کمزور، غیر مستحکم اور مسائل سے دوچار ہوتا جا رہا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی شادیاں چند مہینوں یا چند برسوں میں ہی اختلافات، ذہنی دباؤ، بداعتمادی اور بالآخر علیحدگی یا طلاق تک جا پہنچتی ہیں۔ یہ صورتحال محض کسی ایک فرد یا ایک جنس کی غلطی نہیں بلکہ ایک مجموعی سماجی بحران کی عکاسی کرتی ہے، جس کے پس منظر میں کئی پیچیدہ عوامل کار فرما ہیں۔

سب سے پہلے اگر ہم توقعات کے مسئلے کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جدید میڈیا اور سوشل میڈیا نے ازدواجی زندگی کا ایک غیر حقیقی اور مثالی تصور پیش کیا ہے۔ فلموں، ڈراموں اور آن لائن پلیٹ فارمز پر دکھائی جانے والی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں، اختلافات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ چند لمحوں میں حل ہو جاتا ہے۔ جب حقیقی زندگی ان تصورات سے مختلف نکلتی ہے تو مایوسی، بے اطمینانی اور شکایت جنم لیتی ہے۔ نتیجتاً میاں، بیوی ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے لگتے ہیں۔

دوسرا اہم عنصر انا اور برداشت کی کمی ہے۔ موجودہ دور میں خود اعتمادی اور خود مختاری کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جو اپنی جگہ درست ہے، لیکن ازدواجی زندگی میں لچک اور قربانی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔ جب دونوں فریق اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھیں اور ایک قدم پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوں تو چھوٹے چھوٹے اختلافات بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں اور رشتے میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں۔

معاشی دباؤ بھی اس بحران کا ایک اہم سبب ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی، روزگار کی غیر یقینی صورتحال اور معیارِ زندگی کو برقرار رکھنے کی دوڑ، میاں بیوی دونوں کو ذہنی دباؤ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جب انسان مالی پریشانیوں کا شکار ہوتا ہے تو اس کے رویّے میں چڑچڑاپن، بے صبری اور غصہ آ جاتا ہے، جو براہِ راست ازدواجی تعلقات پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ خاندانی نظام میں آنے والی تبدیلیاں بھی اس مسئلے کو بڑھا رہی ہیں۔ پہلے مشترکہ خاندانوں میں بزرگوں کی رہنمائی اور تجربہ نوجوان جوڑوں کے لیے سہارا بنتا تھا، جبکہ اب زیادہ تر لوگ الگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس آزادی کے اپنے فوائد ہیں، لیکن اس کے ساتھ رہنمائی اور برداشت کا وہ عنصر کم ہو جاتا ہے جو بزرگ فراہم کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف بعض اوقات خاندانوں کی غیر ضروری مداخلت بھی مسائل کو بڑھا دیتی ہے، جس سے میاں، بیوی کے درمیان اعتماد اور خود مختاری متاثر ہوتی ہے۔

ایک اور اہم پہلو جذباتی ناپختگی ہے۔ بہت سے نوجوان شادی کو صرف خوشیوں، سیر و تفریح اور رومانوی لمحات تک محدود سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت میں یہ ایک مکمل ذمہ داری ہے جس میں ایڈجسٹمنٹ، برداشت اور ایک دوسرے کی کمزوریوں کو قبول کرنا شامل ہے۔ جب وہ عملی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں تو انہیں یہ رشتہ بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے
سوشل میڈیا کا بڑھتا ہوا استعمال بھی ازدواجی تعلقات میں خلل ڈال رہا ہے۔ دوسروں کی زندگیوں سے مسلسل موازنہ، غیر ضروری تعلقات، اور ذاتی معاملات کو عوامی سطح پر لانا اعتماد کو مجروح کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک معمولی غلط فہمی بھی سوشل میڈیا کے ذریعے بڑھ کر ایک بڑے تنازعے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

مزید یہ کہ، وقت کی کمی بھی ایک اہم مسئلہ بن چکی ہے۔ مصروف طرزِ زندگی، لمبے اوقاتِ کار اور ڈیجیٹل مصروفیات کے باعث میاں بیوی ایک دوسرے کو مناسب وقت نہیں دے پاتے۔ نتیجتاً جذباتی دوری پیدا ہوتی ہے اور رشتہ کمزور ہونے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی تعلق کو مضبوط رکھنے کے لیے وقت اور توجہ دینا نہایت ضروری ہے۔

ازدواجی مسائل میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم نے معافی اور درگزر کی روایت کو کمزور کر دیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لینا، غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور فوری ردِ عمل دینا رشتے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جبکہ کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان اپنے شریکِ حیات کی کمزوریوں کو سمجھ کر انہیں قبول کرے اور موقع ملنے پر معاف کرنا سیکھے۔

اس صورتحال میں میڈیا اور تعلیمی اداروں کا کردار بھی اہم ہے۔ اگر نوجوانوں کو شادی سے پہلے ہی اس رشتے کی حقیقت، ذمہ داریوں اور چیلنجز سے آگاہ کیا جائے تو وہ زیادہ حقیقت پسندانہ توقعات کے ساتھ اس بندھن میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح خاندانی تربیت میں بھی برداشت، احترام اور ذمہ داری کے عناصر کو فروغ دینا ضروری ہے۔

حل کے طور پر سب سے اہم چیز مؤثر ابلاغ ہے۔ میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے مسائل، احساسات اور توقعات کے بارے میں کھل کر بات کریں۔ خاموشی، غلط فہمیوں کو جنم دیتی ہے جبکہ بات چیت مسائل کو حل کرنے کا راستہ ہموار کرتی ہے۔

اسی طرح باہمی احترام کو ہر حال میں برقرار رکھنا چاہیے۔ اختلاف رائے ہونا ایک فطری بات ہے، لیکن اس اختلاف کو عزت اور شائستگی کے دائرے میں رکھنا ہی رشتے کی اصل خوبصورتی ہے۔

آخر میں یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ شادی کوئی وقتی جذبہ نہیں بلکہ ایک طویل المدتی عہد ہے جسے نبھانے کے لیے مسلسل کوشش درکار ہوتی ہے۔ اگر ہم صبر، برداشت، محبت، اعتماد اور سمجھوتے کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں تو یہ رشتہ نہ صرف قائم رہ سکتا ہے بلکہ ایک پُرسکون، خوشحال اور بامقصد زندگی کی بنیاد بھی بن سکتا ہے۔

یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ازدواجی زندگی کو محض ایک رسمی بندھن کے بجائے ایک ذمہ دارانہ شراکت داری کے طور پر دیکھیں، جہاں دونوں فریق برابر کے شریک ہوں اور ایک دوسرے کے سکون، عزت اور خوشی کو اپنی ترجیح بنائیں۔ تب ہی ہم اس بڑھتے ہوئے ازدواجی بحران پر قابو پا سکتے ہیں اور ایک مضبوط، صحت مند اور متوازن معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکتی ہے۔

ہمیں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہر رشتہ اپنی فطرت میں منفرد ہوتا ہے۔ ایک جوڑے کے مسائل اور ان کے حل دوسرے پر منطبق نہیں ہو سکتے۔ اس لیے دوسروں کی زندگیوں سے موازنہ کرنے کے بجائے اپنے تعلق کو اس کی اپنی بنیادوں پر مضبوط بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ شعور کہ "ہماری کہانی ہماری اپنی ہے" رشتے میں اطمینان اور استحکام پیدا کرتا ہے۔

اسی طرح ازدواجی زندگی میں شکر گزاری کا عنصر بھی نہایت اہم ہے۔ اکثر اوقات انسان اپنے شریکِ حیات کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے صرف کمزوریوں پر توجہ دیتا ہے، جس سے رشتہ بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ اگر ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور مثبت پہلوؤں کو سراہنے کی عادت ڈال لیں تو تعلق میں خود بخود نرمی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

ایک اور پہلو یہ ہے کہ ہمیں اختلاف کو دشمنی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہر دو افراد کے خیالات، ترجیحات اور نقطۂ نظر مختلف ہو سکتے ہیں، اور یہی فرق رشتے کو وسعت دیتا ہے۔ اصل کامیابی اس میں ہے کہ ہم اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کریں اور مشترکہ راستہ تلاش کریں۔

بالآخر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شادی کا رشتہ ایک مسلسل سیکھنے کا عمل ہے۔ اس میں ہر دن ایک نیا سبق ہوتا ہے، کبھی صبر کا، کبھی برداشت کا اور کبھی محبت کے اظہار کا۔ جو لوگ اس سیکھنے کے عمل کو قبول کر لیتے ہیں، وہی اس رشتے کی خوبصورتی اور پائیداری سے حقیقی طور پر لطف اندوز ہو پاتے ہیں۔

اس تمام گفتگو کے تناظر میں ایک نہایت اہم اور حساس پہلو جسے عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، وہ سچائی اور دیانت داری کا ہے۔ رشتے طے کرتے وقت، خواہ لڑکی والوں کی طرف سے ہو یا لڑکے والوں کی جانب سے، اگر کسی فریق کو کوئی بیماری، نفسیاتی مسئلہ، مالی حقیقت یا کوئی ایسی اہم بات معلوم ہو جو مستقبل میں ازدواجی زندگی پر اثر انداز ہو سکتی ہو، تو اسے ہرگز چھپانا نہیں چاہیے۔ وقتی طور پر کسی حقیقت کو چھپا لینا شاید رشتہ طے کر دے، لیکن یہی پوشیدہ بات بعد میں بداعتمادی، جھگڑوں اور حتیٰ کہ طلاق کا سبب بن سکتی ہے۔

ایک مضبوط رشتے کی بنیاد سچائی پر قائم ہوتی ہے۔ اگر آغاز ہی دھوکے یا ادھوری معلومات سے ہو تو اس رشتے میں اعتماد کی وہ مضبوطی پیدا نہیں ہو پاتی جو ایک خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت مکمل شفافیت اختیار کی جائے، تاکہ دونوں فریق حقیقت کو جان کر ایک دوسرے کو قبول کریں۔ یہی رویہ نہ صرف رشتے کو مضبوط بناتا ہے بلکہ آئندہ آنے والے مسائل سے بھی بڑی حد تک محفوظ رکھتا ہے۔

انا: ایک گہرا کنواں

بختیار برکاتی خانقاہ قادریہ مہرولی نئی دہلی ہند

انسان کے باطن کی سب سے پیچیدہ گمراہی اور اس سے نجات کا راستہ انسانی تاریخ کے بڑے المیوں میں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ انسان نے کائنات کو فتح کرنے کی کوشش میں بہت کامیابیاں حاصل کر لیں، مگر اپنے باطن کے ایک چھپے ہوئے دشمن کو اکثر نہ پہچان سکا۔ اس دشمن کا نام ہے: انا

یہ کوئی عام لفظ نہیں؛ یہ انسانی شعور کے اس حصے کی علامت ہے جو انسان کو اپنے گرد ایسا حصار بنا لینے پر آمادہ کرتا ہے کہ اسے اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے۔

یہی وجہ ہے کہ کہا جا سکتا ہے:
"انا ایک گہرا کنواں ہے؛ جو اس میں گرتا ہے، اکثر اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ گر چکا ہے۔"

انا کیا ہے؟

عام فہم میں انا کو صرف غرور سمجھ لیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں یہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔
انا وہ باطنی کیفیت ہے جس میں انسان:
اپنی رائے کو آخری سچ سمجھنے لگتا ہے
اپنی خواہش کو حق کا نام دے دیتا ہے
اپنی غلطی کو دلیلوں سے چھپاتا ہے
اپنی ذات کو مرکزِ کائنات سمجھنے لگتا ہے
تعریف سے پھولتا اور تنقید سے ٹوٹتا ہے
انا کا مسئلہ یہ نہیں کہ انسان خود کو کچھ سمجھے؛
اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے زیادہ کچھ سمجھنے لگے۔

انا کنواں کیوں ہے؟

کنواں گہرا بھی ہوتا ہے، تاریک بھی، اور جو اس میں گرے وہ اکثر خود نہیں نکل سکتا۔ انا بھی یہی کرتی ہے۔ ابتدا میں انسان کو لگتا ہے کہ وہ مضبوط ہو رہا ہے، مگر آہستہ آہستہ وہ حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب: نصیحت دشمنی لگتی ہے اختلاف توہین محسوس ہوتا ہے معافی کمزوری لگتی ہے عاجزی ذلت معلوم ہوتی ہے یہ وہ مقام ہے جہاں انسان انا کے کنویں میں کافی نیچے جا چکا ہوتا ہے۔

انا کی سب سے خطرناک چال

انا کبھی برائی کے لباس میں نہیں آتی۔ وہ اکثر خیر کے لباس میں آتی ہے: "میں حق کی خاطر بول رہا ہوں" "میں اصولی ہوں" "میں دوسروں سے بہتر سمجھتا ہوں" "میں دین کی خدمت کر رہا ہوں" اور انسان سمجھتا رہتا ہے کہ وہ اخلاص میں ہے، حالانکہ بعض اوقات وہ اپنی بڑائی کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔
یہی انا کا سب سے خطرناک فریب ہے۔

انا کی اقسام

۱. علمی انا

جب علم انسان کو عاجز بنانے کے بجائے برتر محسوس کرائے۔

علامت:

ہر گفتگو میں اپنی برتری ثابت کرنے کی خواہش۔

۲. روحانی انا

یہ سب سے خطرناک ہے۔
جب انسان اپنی عبادت، تقویٰ، ذکر، یا تصوف کو اپنی فضیلت کا ثبوت سمجھنے لگے۔
یہاں نفس عبادت کے لباس میں چھپ جاتا ہے۔

۳. اخلاقی انا

"میں دوسروں سے زیادہ اچھا ہوں"
یہ خاموش تکبر ہے۔

۴. مظلوم انا

بعض لوگ اپنی محرومی کو بھی انا بنا لیتے ہیں:
"مجھے کسی نے نہیں سمجھا"
"دنیا میرے خلاف ہے"
یہ بھی خود مرکزی کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔

انا کی علامات

اگر انسان میں یہ باتیں بڑھ رہی ہوں تو احتیاط چاہیے:
ہر وقت اپنی وضاحت دینا فوراً دفاعی ہو جانا
تنقید برداشت نہ کرنا
اپنی غلطی ماننے میں مشکل
دوسروں کی کامیابی سے بے چینی
تعریف کی طلب
خاموش خدمت سے اکتاہٹ

انا کا انجام

تاریخ گواہ ہے: بادشاہ، مفکر، عالم، قائد — سب انا کے ہاتھوں گرے ہیں۔
انا انسان سے بصیرت چھین لیتی ہے۔
وہ سن تو رہا ہوتا ہے مگر سنتا نہیں۔
وہ دیکھ تو رہا ہوتا ہے مگر دیکھتا نہیں۔ اور پھر زوال شروع ہو جاتا ہے۔ انا سے نجات کا عملی راستہ
۱. روزانہ محاسبہ، خود سے پوچھیں: "میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟" یہ سوال انا کا پردہ چاک کرتا ہے۔
۲. غلطی ماننے کی مشق دل پر پتھر رکھ کر کہنا: "ہاں، مجھ سے غلطی ہوئی۔" یہ انا کے لیے زہر اور روح کے لیے دوا ہے۔
۳. بے نام خدمت
ایسا کام کریں جہاں کریڈٹ نہ ملے۔
یہ نفس کی تربیت ہے۔

۴. خاموشی

روز کچھ وقت خود کو دیکھیں۔
انا شور میں زندہ رہتی ہے؛ خاموشی اسے بے نقاب کرتی ہے۔

۵. تنقید قبول کرنا

جو شخص تنقید سن سکتا ہے، وہ انا کے کنویں سے نکلنے لگا ہے۔
۶. فنا کو یاد رکھنا
ایک دن سب ختم ہو جانا ہے: نام، مرتبہ، تعریف، بخشیں، جیتیں، یہ یاد انا کو نرم کر دیتی ہے۔
اصل نجات: انا کو مارنا نہیں، پہچاننا
بعض لوگ انا سے لڑتے لڑتے نئی انا بنا لیتے ہیں:
"میں بہت منکسر ہوں"
"میں نے نفس مار دیا"
یہ بھی انا کا کھیل ہے۔
اصل نجات انا کو کچلنے میں نہیں؛
اسے پہچان لینے میں ہے۔
جب انسان دیکھ لیتا ہے کہ "یہ میرا نفس بول رہا ہے" تو اس کی گرفت کمزور ہونے لگتی ہے۔

صوفیانہ نقطۂ نظر

صوفیا کہتے ہیں:
"جو خود کو پا لیتا ہے، وہ رب کو نہیں پا سکتا؛
اور جو خود کو کھو دیتا ہے، وہ حقیقت پا لیتا ہے۔"
یہ خود کو مٹانا جسمانی فنا نہیں؛ بلکہ جھوٹی خودی کی تحلیل ہے۔ جب انسان اپنی مصنوعی بڑائی سے خالی ہوتا ہے تو حقیقت کے لیے جگہ بنتی ہے۔

اختتامیہ

انا واقعی ایک گہرا کنواں ہے۔
اکثر لوگ اس میں ہیں اور انہیں خبر نہیں۔
مگر خوشخبری یہ ہے: جو شخص یہ سوال پوچھ لے کہ "کیا میں انا میں ہوں؟" وہ کنویں کے کنارے پہنچ چکا ہوتا ہے۔ خطرہ ان کے لیے ہے جو یقین سے کہتے ہیں: "میں ہرگز انا میں نہیں ہوں۔" کیونکہ انا کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ انسان کو اس کی موجودگی کا احساس نہ ہونے دے۔ اور آزادی کی ابتدا یہ ہے کہ انسان خاموشی سے اعتراف کرے: "میں ابھی راستے میں ہوں، منزل پر نہیں۔"
بختیار برکاتی خانقاہ قادریہ مہرولی نئی دہلی ہند

لالچ ایک بری بلا ہے

خامہ بکف محمد عادل ارریاوی

لالچ بری بلا ہے یہ کہاوت تو آپ نے بھی بارہا سنی ہوگی لیکن حقیقت میں اس پر عمل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

آج کے دور میں جلد دولت مند بننے کی خواہش نے انسان کو اندھا سا کر دیا ہے۔ ہر شخص کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہی خواہش بعض اوقات اسے ایسے راستوں پر لے جاتی ہے جہاں نقصان پریشانی اور پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔
دھوکے باز لوگ بھی انسانی کمزوریوں کو خوب سمجھتے ہیں اسی لیے وہ بڑے بڑے منافع دلکش منصوبوں اور چمکدار نعروں کے ذریعے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب انسان کے سامنے زیادہ فائدے اور جلد امیر بننے کا لالچ رکھا جاتا ہے تو بڑے بڑے عقل مند اور سمجھ دار لوگ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔

اس معاملے میں لالچ کی وجہ سے نہ صرف عام لوگ بلکہ کئی دیندار اور اہلِ علم حضرات بھی متاثر ہوتے ہیں بڑے بڑے دعوے اور خوش نما وعدے سب بے حقیقت ثابت ہوئے۔ لوگوں کو سنہرے خواب دکھاتے ہیں مگر آخر میں وہ سب دھوکا اور فریبی نکلتا ہے۔
افسوسناک بات ہے کی انسان جب لالچ میں آ جاتا ہے تو وہ نہ صحیح مشورہ لیتا ہے نہ انجام پر غور کرتا ہے اور نہ ہی حقیقت جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ بس چند لوگوں کی ظاہری کامیابی دیکھ کر اپنی پوری جمع پونجی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ بعد میں جب حقیقت سامنے آتی ہے تو ہاتھ ملنے اور افسوس کرنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔
افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ ان تلخ تجربات کے باوجود کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب نئے ناموں اور نئی شکلوں میں پھر اسی قسم کے کاروبار سامنے آ رہے ہیں۔ بھاری منافع اور غیر معمولی فائدے کا لالچ دے کر لوگوں کو دوبارہ پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
ایسے حالات میں ہماری مخلصانہ گزارش یہی ہے کہ لالچ سے خود کو بچایا جائے کیونکہ لالچ انسان کو تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ اپنی محنت کی کمائی اور جمع شدہ سرمایہ ایسے لوگوں کے حوالے ہرگز نہ کریں جو بڑے بڑے نفع اور رنگین خواب دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اس کے بجائے محنت دیانت صبر اور کفایت شعاری کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں تاکہ مستقبل میں کسی بڑی آزمائش اور نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ پرانا شکاری اکثر نئے انداز اور نئے جال کے ساتھ واپس آتا ہے تاکہ دوبارہ لوگوں کو اپنے فریب میں مبتلا کر سکے۔ اس لیے ہر شخص کو بیدار محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔
اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ کسی بھی کاروبار یا سرمایہ کاری میں قدم رکھنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کرے اہلِ علم اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لے اور صرف چمکدار نعروں اور وقتی فائدے کو دیکھ کر فیصلہ نہ کرے۔ یہی احتیاط انسان کو بڑے نقصان سے بچا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے اور ہر قسم کے دھوکے اور فریب سے محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

غزل

جیون کی ڈگر میں کوئی اپنا نہیں ملتا
دھوپوں میں سفر کرتے ہیں سایہ نہیں ملتا

پیاسے مرے ہونٹوں کو ترے شہر میں جاناں
دریا کی ہوس کس کو ہے قطرہ نہیں ملتا

گلیوں کے نئے موڑ پہ جیون کے سفر میں
ڈھونڈوں بھی اگر، تو کوئی تم سا نہیں ملتا

ہر سمت ہے پھیلا ہوا یادوں کا جزیرہ
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ رستہ نہیں ملتا

کہنے کو تو ہم روز ہی ملتے ہیں برابر
افسوس کہ دونوں کا ستارہ نہیں ملتا

آنے کا ارادہ ہے ترے شہر میں لیکن
تیرے مکاں کے روبرو کمرہ نہیں ملتا

وہ کیا کریں گے جان کے حالاتِ زمانہ
روٹی نہیں ملتی جنہیں کپڑا نہیں ملتا

عالم بھلا میں کیسے اسے اپنا کہوں گا
اسلاف کے چہروں سے جو چہرا نہیں ملتا

آفتاب عالم شاہ نوری

نعتِ وجہِ تخلیقِ کائنات صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

معظّم ارزاں شاہی دوست پوری
قصبہ دوست پور ضلع سلطان پور
(یوپی)

کیا لفظ کوئی لائے سرکار کی مدحت میں
قرآن مکمل ہے خود آپ کی عظمت میں

ممتاز نہیں یوں ہی امت یہ فضیلت میں
ایماں کی حرارت ہے سرکار کی امت میں

اکمل کیا خالق نے ہر شان میں شوکت میں
اجمل ہیں شہِ والا ہر شکل میں صورت میں

اب تک کوئی آیا ہے نا ہی کوئی آئے گا
ہے خلق عظیم ان کا شہ کار ہیں قدرت میں

عالم ہے بنا سارا ان کی ہی بدولت تو
خوشیاں نہ منائیں کیوں آقا کی ولادت میں

ہر نقشِ قدم شہ کا معراج سراپا ہے
ثانی ہی نہیں کوئی صورت میں نہ سیرت میں

ہر بات معظّم کی بگڑی ہوئی بن جائے
گر نعت پہنچ جائے سرکار کی خدمت میں

معظّم ارزاں شاہی دوست پوری
قصبہ دوست پور ضلع سلطان پور (یوپی)

غزل

ذکی طارق بارہ بنکوی
(ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے بسمل" بارہ بنکی)

عیش و آرام سے بھر لینے کو آنگن اپنا
رب سے کیا مانگ لوں ماں پھر سے وہ بچپن اپنا

خاک نے اوڑھ لیا ہاتھ کی عظمت کا وقار
ذائقہ لائے ہیں پھر چاک کے برتن اپنا

جو روایت سے تعلق ہے وہ ٹوٹے گا نہیں
ہم بدل سکتے نہیں پیاس، کبھی فن اپنا

فکروں اندیشوں سے آزاد طرب میں ڈوبا
چھوڑ آئے کہاں ہم لوگ لڑکپن اپنا

مرگ اور زیست کا ہے دل پہ ہی جب دار و مدار
مارتا ہے تو انا کے لئے کیوں من اپنا

جس کی آواز مرے کانوں میں رس گھولتی تھی
تو گنوا آیا کہاں ہاتھوں کا کنگن اپنا

اب مرا جسم مری ذات کہاں باقی بچی
کر دیا نام ترے جب یہ سرو تن اپنا

(ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے بسمل" بارہ بنکی)
سعادت گنج، بارہ بنکی، اتر پردیش، انڈیا

غزل

بیٹھا ہوں اس زمین پہ چھت پر نہیں ہوں میں
یعنی جناب سے تو قد آور نہیں ہوں میں

سارا کمال تیرا ہے، میرا ہے کچھ نہیں
مٹی کا ایک پتلا ہوں، گوہر نہیں ہوں میں

رب کی عطا پہ بالیقیں نازاں ضرور ہوں
تجھ سے کسی بھی حال میں برتر نہیں ہوں میں

دعویٰ کمالِ فن کا نہ کر پاؤں گا کبھی
تیرے کسی بھی فن کے برابر نہیں ہوں میں

تیرے کمالِ فن کو سراہوں گا عمر بھر
قطرہ ہوں تیرے آگے سمندر نہیں ہوں میں

آقائے دو جہاں کے غلاموں کا ہوں غلام
جگ میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں میں

آ کر مرے قریب سے جاتے ہیں اب ڈروں
پھر بھی تو اس زمیں پہ ڈر کر نہیں ہوں میں

گوہر نے اعتراف کیا ہے یہ بار بار
تیرے قدِ سخن کے برابر نہیں ہوں میں

آفتاب عالم گوہر قادری واحدی
دریاآباد ضلع بارہ بنکی یوپی الہند

* علماء وائمہ کی معاشی مضبوطی ـــ امت کی مشترکہ ذمہ داری *

محمد علی شیر قادری نظامی

سکونت: روضہ شریف، مہوتری نیپال

امتِ مسلمہ کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جب بھی علماءِ کرام، ائمۂ مساجد اور دینی راہنما مضبوط، باوقار اور معاشی طور پر مطمئن رہے، اُس وقت دین کی شمع روشن رہی، معاشرہ سنور گیا اور نئی نسل ایمان، اخلاق اور تہذیب سے وابستہ رہی۔ لیکن جب انہی طبقوں کو معاشی کمزوری، معاشرتی بے قدری اور فکری تنہائی کا سامنا کرنا پڑا تو معاشرے میں دینی زوال، اخلاقی انتشار اور روحانی خلا پیدا ہوا۔

آج ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جہاں ہر شعبہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کر رہا ہے۔ مزدوروں کی تحریکیں چلتی ہیں، اساتذہ اپنے مطالبات کے لیے میدان میں آتے ہیں، سرکاری ملازمین تنخواہوں میں اضافے کے لیے احتجاج کرتے ہیں، حتیٰ کہ مختلف طبقات اپنی معاشی حالت بہتر بنانے کے لیے منظم مہمات چلاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ طبقہ جو قوم کی دینی، اخلاقی اور روحانی حفاظت کرتا ہے، یعنی علماءِ کرام اور ائمۂ مساجد، آج بھی معاشی اعتبار سے شدید مشکلات کا شکار ہیں، اور ان کے حق میں اجتماعی آواز بہت کم بلند ہوتی ہے۔ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آج مہنگائی نے عام آدمی کی کمر توڑ دی ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔ ایک عام گھر کا خرچ، بچوں کی تعلیم، علاج، رہائش اور دیگر ضروریات پوری کرنا دشوار ہو چکا ہے۔ ایسے میں ایک امام مسجد یا مدرس، جس کی ماہانہ تنخواہ اکثر اوقات ایک مزدور سے بھی کم ہو، وہ کس طرح عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے؟ کیا وہ بھی انسان نہیں؟ کیا اُس کے بچے تعلیم اور بہتر مستقبل کا حق نہیں رکھتے؟ کیا اُس کے گھر میں بیماریاں نہیں آتیں؟ کیا اُس کی ضروریات دوسروں سے مختلف ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ علماء وائمہ صرف مسجد میں نماز پڑھانے یا مدارس میں کتابیں پڑھانے والے افراد نہیں، بلکہ یہ امت کی فکری سرحدوں کے محافظ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نکاح پڑھاتے ہیں، جنازے پڑھاتے ہیں، بچوں کو قرآن سکھاتے ہیں، لوگوں کے عقائد کی حفاظت کرتے ہیں، معاشرے میں خیر، امن اور اخلاقیات کو زندہ رکھتے ہیں۔ اگر یہی طبقہ معاشی دباؤ، ذہنی پریشانی اور مالی اضطراب میں مبتلا ہوگا تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔ آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علماء و ائمہ کی معاشی اور معاشرتی مضبوطی کے لیے ایک منظم تحریک چلائی جائے۔ ایسی تحریک جو صرف وقتی نعروں تک محدود نہ ہو بلکہ عملی اقدامات پر مشتمل ہو۔ ہر شہر، ہر قصبے اور ہر مسجد کی سطح پر یہ شعور بیدار کیا جائے کہ امام مسجد کی مناسب تنخواہ صرف ایک شخص کی مدد نہیں بلکہ دین کی خدمت ہے۔ مسجدیں صرف خوبصورت عمارتوں سے آباد نہیں ہوتیں بلکہ مخلص، مطمئن اور باوقار ائمہ سے آباد ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری اُن طبقات پر عائد ہوتی ہے جو معاشرے میں اثر و رسوخ رکھتے ہیں، خصوصاً قضاۃ، مشائخِ عظام، سجادگان، پیرانِ طریقت اور وہ افراد جو پیری مریدی کے منصب پر فائز ہیں۔ ان کے پاس لاکھوں عقیدت مند موجود ہیں، ان کی ایک آواز سے بڑے بڑے اجتماعات برپا ہو جاتے ہیں، لوگ ان کی بات کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ اگر یہ حضرات علماء وائمہ کی کفالت، تنخواہوں میں اضافے اور ان کی عزت و تکریم کی تحریک شروع کر دیں تو یقیناً معاشرے میں ایک بڑا انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض جگہوں پر مساجد کی تعمیر و تزئین پر لاکھوں اور کروڑوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں، مگر امام مسجد کی تنخواہ بڑھانے کے وقت چند ہزار روپے بھی بوجھ محسوس ہوتے ہیں۔ سنگِ مرمر، قیمتی قالین اور بلند مینار تو آسانی سے بن جاتے ہیں، مگر وہ شخص جو پانچ وقت محراب میں کھڑا ہو کر لوگوں کی امامت کرتا ہے، اس کے گھر کے چولہے کی فکر کم ہی کی جاتی ہے۔ یہ طرزِ فکر بدلنے کی ضرورت ہے۔ علماء وائمہ کو مضبوط کرنا دراصل دین کو مضبوط کرنا ہے۔ اگر امام مسجد معاشی طور پر مطمئن ہوگا تو وہ زیادہ یکسوئی کے ساتھ قوم کی اصلاح کر سکے گا، نئی نسل کی بہتر تربیت کر سکے گا اور معاشرے میں مثبت تبدیلی لا سکے گا۔ اسی طرح اگر علماء کرام کو عزت، سہولت اور مناسب معاشی استحکام حاصل ہوگا تو نوجوان نسل بھی دینی علوم کی طرف راغب ہوگی۔ ورنہ حالات یہ ہو جائیں گے کہ ذہین نوجوان دینی میدان سے دور ہوتے جائیں گے اور امت ایک عظیم خسارے سے دوچار ہوگی۔

لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ ملک گیر سطح پر "تحفظِ علماء و ائمہ تحریک" یا اسی نوعیت کی کوئی مثبت مہم شروع کی جائے۔ جمعہ کے خطبات میں اس موضوع کو اجاگر کیا جائے، مدارس اور خانقاہوں میں اس حوالے سے بیداری پیدا کی جائے، مخیر حضرات کو اس کارِ خیر میں شامل کیا جائے، اور ہر مسجد کمیٹی کو پابند کیا جائے کہ وہ امام و مؤذن کی تنخواہوں کا از سرِ نو جائزہ لے۔

اسی کے ساتھ علماء وائمہ کے لیے فلاحی فنڈ، طبی سہولیات، رہائشی منصوبے اور بچوں کی تعلیمی معاونت جیسے عملی اقدامات بھی کیے جائیں۔ صرف ہمدردی کے بیانات کافی نہیں، بلکہ عملی تعاون وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

آج اگر ہم نے اس طبقے کی قدر نہ کی، ان کے مسائل کو نظر انداز کیا اور انہیں معاشی کمزوری کے سپرد کر دیا تو کل ہماری دینی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی۔ لیکن اگر ہم نے اخلاص کے ساتھ علماء و ائمہ کی عزت، کفالت اور استحکام کی تحریک چلائی تو یہی طبقہ قوم کی صحیح رہنمائی کر کے معاشرے کو ایمان، علم اور اخلاق کا گہوارہ بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دینی خادموں کی قدر کرنے، ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کی عزت و تکریم کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دوست سے شکوہ۔

ماجد مجید
کشمیر یونیورسٹی

اعتماد دوست پر اتنا زیادہ بڑھا کہ معمولی لغزشوں، آزمائشوں سے دل بھر آیا کہ وسوسے دل میں سکونت پذیر ہونے لگے اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے بہت سارے حربے آزمائے لیکن کامیاب نہ ہوسکے بالآخر شکایات کی فہرست لے کے دوست کے در کو گئے اور بلا روک ٹوک ایک ایک سنانے لگے اور یوں عرض کی " اے دوست تم نے میرے لئے مشکلات پیدا کئے قرب و اقارب سے اگرچہ پر خلوص رہا دل و جان سے ان کے لئے رات دن ایک کر تار ہا زمین جائیداد بنائی تاہم وہ رفتہ رفتہ مجھ سے بد ظن ہوگئے محنت بھی رائیگاں ہوگئی میرے خلاف ایسی چال چلے کہ آس پڑوس آدم زاد بھی بھڑ کے دانہ پانی روکا مارنے پر تلے اور آخر میں عزل قرار دے کر وراثت پر قابض ہوگئے۔ کسی کو میری بے بسی پر عار آیا برتن دھونے صاف صفائی پر رکھا یومیہ پندرہ روپے پر مزدور رکھا پھر بھی جائے پناہ نہ ملی قرب و اقارب کا میرے لئے دروازہ بند رہنے لگا رات رات بھر کبھی مسافر خانہ تو کبھی سڑک کنارے تارے گنتا رہا پھر شب برات کسی گلی کے نکڑ پر آنسو میں گزر گئی قرب و اقارب کو عار نہیں آیا ان کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی پھر بھی دن بھر کی تکان کے بعد ہزار وسوسے دل میں لئے اپنا محاسبہ کر کے ان کو گیا مبادا انصاف آئے اور دروازہ کھولیں لیکن ہر بار مایوسی ہوئی اور اب اے دوست کیا تم نے بھی خوب یاری نبھائی کہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا اور تو میری پریشانیوں سے لطف اٹھا رہا ہے کبھی ہمدردی کے دو بول کہہ دیتے کہ "میں ہوں نا میرے ہوتے ہوئے کیوں ناامید ہوتے ہو " لیکن نہیں " دوست نے میرا شکوہ سنا اور اس کی طرف سے میرے شکوہ کا جواب اس طرح آیا۔

دوست کا جواب شکوہ

(او یارا! تو کیوں بھول گیا تیری زندگی کے ہر مشکل موڑ اور ہر نکڑ پر میں نے تیری مدد کی تو کمزور تھا میں نے تیرے دست و بازو مضبوط کئے تیرے قرب و اقارب کو ان کی بد ظنی پر ایسی لاٹھی ماری کہ زخم تا حیات مندمل نہ ہوئے یعنی زخم بھر آنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی، تیری پڑھائی کا بندوبست کیا اس سے پہلے تو جاہل گنوار تھا، روزگار دلایا، تو یتیمی کی زندگی بسر کر رہا تھا تو کسی عالم کے گھر میں پناہ دی علم جتنا چاہا عالم سے حاصل کیا، تیرے پاس کچھ نہیں تھا تو مفلس تھا تو تیرے لئے ایک امیر زادی سے ازدواجی زندگی کا رشتہ جوڑا تو غنی بنا وہ امیر زادی بھی تیری طرح لاچار مجبور تھی تیری اولاد ہوئی پھر تم سب کو اپنے گھر دعوت دی تو اور تیرا اہل و عیال میرے گھر مہمان بن کے آئے میں نے خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کی واپس آنے پر تو نے اپنی امیر زادی کی وراثت سنبھالی خوب نفع کمایا دلالوں کی نظر میں تم سب کی وراثت رہی تو دلالوں کے جال میں پھنسا وہ تیری جان کے دشمن ہوگئے انہوں نے تیری زندگی کا دائرہ تنگ کر ڈالا۔ میں نے خضر کو

تیری مدد کے لئے بھیجا وہ دلالوں سے خوب نپٹا اور میری مدد سے خضر نے تجھے دلالوں کے چنگل سے باہر نکالا پھر خضر نے تیری ساری پریشانی اپنے سر لے لی میرے حکم سے خضر نے تیرے گھر اور تیری اولاد کی آبادی کے ساتھ ساتھ تیری ساری وراثت صحیح اور محفوظ جگہ منتقل کی پھر خضر کو تیرے گھر اور تیری وراثت کی دیکھ بھال کے لئے منتخب کیا یہ تو ہے کہ میٹھی نیند سو رہا ہے اور یہ میں ہوں کہ خضر کو تیرے لئے آرام کا وسیلہ بنایا پھر بھی تو شکوہ پر شکوہ کرتا رہا ہے" دوست کی طرف سے جواب شکوہ پا کر آبدیدہ ہوا اور دل کی بات زبان پر خود بخود آگئی اور التجا کی "اے دوست میں یہاں خود کو زندان میں اپنی زندگی گزارنا محسوس کرتا ہوں آپ کے پاس آنے کے لئے آپ کے بلاوے کا منتظر ہوں" ضرور، لیکن مناسب وقت پر تجھ کو بلایا جائے گا" جواب پا کر اطمینان قلب حاصل ہوا اور دوست کی ہمدردیاں یاد آنے پر خوش و خرم زندگی کے ایام گزارنے لگا۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ٹی ایم ضیاء الحق! فکر، تہذیب، صحافت اور روحانی شعور کا معتبر حوالہ

سیِّد آصف امام کاکوی
Mobile no 917970631167

اردو ادب اور صحافت کی دنیا میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو صرف اپنے قلم سے نہیں بلکہ اپنے فکری وقار، روحانی وابستگی اور تہذیبی شعور سے ایک مستقل شناخت قائم کر لیتی ہیں۔ ٹی ایم ضیاء الحق انھی معتبر شخصیات میں شامل ہیں، جنھوں نے صحافت کو محض خبر رسانی نہیں بلکہ ایک فکری، اخلاقی اور تہذیبی ذمہ داری کے طور پر اختیار کیا۔ ان کی تحریروں میں ادب کی لطافت، تصوف کی روحانیت، صحافت کی سنجیدگی اور تہذیب کی خوشبو ایک ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ ٹی ایم ضیاء الحق، جن کا اصل نام طیب محمد ضیاء الحق ہے، یکم جنوری ۱۹۷۵ کو بہار کے تاریخی شہر گیا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد طیب محمد انعامُ الحق اور والدہ عائشہ خاتون ہے، جن کی دینی تربیت، اخلاقی اقدار اور تہذیبی ماحول نے ان کی شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ علمی، ادبی اور روحانی ماحول میں پرورش پانے والی اس شخصیت نے ابتدا ہی سے مطالعہ، صحافت اور تہذیبی فکر سے گہرا تعلق قائم کر لیا تھا۔ آج وہ دہلی میں مقیم ہیں، مگر ان کی تحریروں میں آج بھی بہار کی مٹی کی خوشبو، اس کی تہذیبی لطافت اور اس کے روحانی نقوش پوری شدت کے ساتھ محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ٹی ایم ضیاء الحق کی تحریریں محض معلوماتی مضامین نہیں بلکہ ایک فکری و تہذیبی مکالمہ ہیں۔ ان کے صوفیانہ مضامین میں روحانی وابستگی، فکری سنجیدگی اور تہذیبی شعور نمایاں طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ تصوف کو صرف خانقاہی روایت یا رسمی عقیدت تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اسے انسانی اخلاق، سماجی رشتوں، زبان، تہذیب اور دعوتی شعور سے جوڑ کر دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں قاری کو صرف معلومات نہیں دیتیں بلکہ اسے اپنی روحانی اور تہذیبی جڑوں کی طرف متوجہ بھی کرتی ہیں۔

ان کی تحریروں کا ایک اہم پہلو "تہذیبی یادداشت" کا تحفظ ہے۔ وہ اُن محفلوں، روایتوں، شخصیات اور سماجی قدروں کو قلم بند کرتے ہیں جو جدید دور کی تیز رفتار زندگی میں آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جارہی ہیں۔ "خواتین کی مجلسِ میلاد"، "ہم بچوں کی مجلسِ میلاد ﷺ"، "مکتب، اُردو اور تہذیب"، "گیا جو ایک شہر ہے" اور "ہمارے بچپن کا رمضان" جیسے مضامین اس کی روشن مثالیں ہیں۔ ان تحریروں میں صرف ماضی کی یاد نہیں بلکہ ایک پورے عہد کی روحانی، سماجی اور تہذیبی فضا محفوظ ہوگئی ہے۔ "خواتین کی مجلسِ میلاد" میں ٹی ایم ضیاء الحق نے برِّصغیر کے مسلم معاشرے کی اُن روحانی روایتوں کو یاد کیا ہے جہاں خواتین کی محفلیں صرف مذہبی رسم نہ تھیں بلکہ محبتِ رسول ﷺ، دعا، اصلاحِ نفس اور اجتماعی سکون کا ذریعہ تھیں۔ "میلاد اکبر" اور "مولود سعیدی" جیسے میلادی رسائل، خواتین کا درد بھرا اندازِ دعا، اور عقیلہ خاتون مرحومہ جیسی شخصیات کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محفلیں گھروں اور محلّوں میں روحانیت، محبت اور سماجی ربط پیدا کرتی تھیں۔ مصنف نے کورونا وبا کے تناظر میں ذکرِ رسول ﷺ اور درود و سلام کو روحانی سکون اور امید کا وسیلہ قرار دے کر اپنے داخلی یقین اور صوفیانہ وابستگی کو نہایت خلوص سے پیش کیا ہے۔ خصوصی طور پر "ہم بچوں کی مجلسِ میلاد ﷺ" ایک نہایت مؤثر اور دل نشیں مضمون ہے، جس میں مصنف نے اپنے بچپن کی ایک سادہ مگر بامعنی یاد کے ذریعے ایک بڑے دعوتی اور تربیتی تصور کو اجاگر کیا ہے۔ مٹی کے گُلّے میں پیسے جمع کرنا، دوستوں کو بلا کر محفلِ میلاد کا اہتمام کرنا، بندیا خریدنا اور ایک کمسن دوست سے تقریر کروانا یہ تمام مناظر قاری کے ذہن میں ایک زندہ تصویر قائم کر دیتے ہیں۔ اس مضمون میں یہ پیغام خوبصورتی سے ابھرتا ہے کہ نبوت ختم ہوئی ہے مگر "کارِ نبوت" یعنی دعوت و اصلاح کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی طرح "مکتب، اُردو اور تہذیب" ایک ایسا مضمون ہے جو محض ایک یادداشت نہیں بلکہ ایک تہذیبی نوحہ اور فکری دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ گیا کے محلہ نیو کریم گنج کی مسجد، حضرت مولانا حکیم سید محمد امین الدین قادریؒ کا مکتب، فجر کے بعد بچوں کا قرآن، اُردو اور فارسی پڑھنے کے لیے جمع ہونا یہ سب ایک ایسے تعلیمی و تہذیبی نظام کی تصویر پیش کرتے ہیں جہاں تعلیم صرف نصاب نہیں بلکہ تربیت، تہذیب اور روحانی شعور کا ذریعہ تھی۔ مصنف نے نہایت درد مندی کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جدید تعلیمی نظام، پرائیویٹ اسکولوں کے بڑھتے رجحان اور بدلتے سماجی حالات نے نئی نسل کو مکتب، اُردو اور اپنی تہذیبی روایت سے دور کر دیا ہے۔ "گیا جو ایک شہر ہے" میں ٹی ایم ضیاء الحق نے اپنے آبائی شہر گیا کی تاریخ، روحانیت، ادب اور سماجی زندگی کو نہایت محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ رامائن، مہابھارت، بودھ گیا، خانقاہوں، ادبی رسائل، مشاعروں، لائبریریوں اور ادبی نشستوں کے ذکر کے ذریعے انہوں نے گیا کو محض ایک شہر نہیں بلکہ تہذیبوں اور روایتوں کے سنگم کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں ایک طرف تاریخ اور روحانیت کی جھلک ملتی ہے تو دوسری طرف نئی نسل کے کتابوں سے دور ہونے پر ایک فکری تشویش بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ وہیں "ہمارے بچپن کا رمضان" میں مصنف نے رمضان کو صرف عبادت کا مہینہ نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی اور روحانی تجربہ قرار دیا ہے۔ کریم گنج کی گلیاں، افطاری کی رونقیں، سحری کے قافلے، چاند شاہ کی آواز، تراویح کی محفلیں اور یوتھ لائبریری کے نوجوانوں کی سرگرمیاں یہ سب مناظر قاری کے دل میں ایک پورے عہد کی اجتماعی زندگی کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اس مضمون میں رمضان کے ذریعے نظم، صبر، محبت اور اجتماعیت کا جو تصور پیش کیا گیا ہے، وہ نہایت مؤثر اور فکری ہے۔ ٹی ایم ضیاء الحق کی نثر میں صحافتی سادگی اور ادبی لطافت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ وہ پیچیدہ فکری اور صوفیانہ موضوعات کو نہایت آسان اور عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں تصنع نہیں بلکہ خلوص، وقار اور داخلی حرارت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں مذہبی حلقوں کے ساتھ ساتھ ادب، تاریخ اور تہذیب سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ آج جبکہ صحافت اکثر سطحی خبروں اور وقتی موضوعات تک محدود ہوتی جارہی ہے، ایسے دور میں ٹی ایم ضیاء الحق جیسے اہلِ قلم کا وجود ایک نعمت محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے قلم کو سچائی، دیانتداری اور سماجی ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ وہ صرف خبریں نہیں لکھتے بلکہ معاشرے کی نبض کو محسوس کرتے ہیں اور اپنے لفظوں کے ذریعے فکری بیداری پیدا کرتے ہیں۔ ان دنوں وہ اپنی اہم کتاب "گیا جو ایک شہر ہے" پر کام کر رہے ہیں، جسے ادبی حلقوں کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ توقع ہے کہ یہ کتاب نہ صرف بہار کی تہذیب، اُردو زبان، روحانی روایت اور علمی تاریخ کی ایک اہم دستاویز ثابت ہوگی بلکہ اردو ادب میں ایک قیمتی اضافہ بھی سمجھی جائے گی۔ اس کتاب میں ایسے موضوعات شامل کیے جا رہے ہیں جو نہ صرف موجودہ دور کے لیے اہم ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی رہنمائی فراہم کریں گے۔ ٹی ایم ضیاء الحق کی سب سے بڑی خوبی ان کا اخلاص، سادگی اور تہذیبی وقار ہے۔

ان کی گفتگو میں سنجیدگی بھی ہوتی ہے اور محبت بھی۔ وہ محض لفظوں کے خالق نہیں بلکہ احساسات کے امین ہیں۔ وہ صرف قلم کے مسافر نہیں بلکہ تہذیب کے نگہبان ہیں۔ ان کی شخصیت میں جو درد، جو وابستگی اور جو روحانی حرارت ہے، وہ آج کے اس مادّی دور میں ایک چراغ کی مانند محسوس ہوتی ہے ایسا چراغ جو اندھیروں میں بھی روشنی بانٹتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی زندگی کے سفر میں کچھ شخصیات ایسی مل جاتی ہیں جو محض ملاقات نہیں ہوتیں، بلکہ ایک احساس بن کر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہیں۔ جناب ٹی ایم ضیاء الحق صاحب بھی انہی نادر اور خوش نصیب شخصیات میں شامل ہیں، جن کا ذکر آتے ہی لفظ خاموش ہو جاتے ہیں اور دل خود اپنی کیفیت بیان کرنے لگتا ہے۔ پٹنہ کی سرزمین، جو ہمیشہ سے علم و ادب، تہذیب و شائستگی اور محبت و خلوص کی امین رہی ہے، اُس دن کچھ اور ہی رنگ میں نظر آرہی تھی۔ فضا میں ایک عجیب سی لطافت تھی، جیسے وقت ٹھہر گیا ہو اور لمحے اپنی معنویت خود بیان کر رہے ہوں۔ جب ٹی ایم ضیاء الحق صاحب ہمارے گھر تشریف لائے، تو یہ محض ایک رسمی آمد نہ تھی، بلکہ اُردو ادب کی خوشبو سے مہکتی ایک روحانی محفل کا آغاز تھا۔ ان کی آمد کے ساتھ ہی گھر کا ہر گوشہ ایک خاص نور سے بھر گیا۔ ان کا مسکراتا چہرہ، آنکھوں میں شفقت کی چمک، اور گفتگو میں خلوص کی مٹھاس یہ سب کچھ دل میں اترتا چلا گیا۔ وہ صرف ایک صحافی نہیں، بلکہ ایک ایسی فکری شخصیت ہیں جو اُردو ادب، تہذیب اور روحانی شعور کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ جب وہ لب کشا ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے الفاظ میں زندگی دوڑ گئی ہو۔ ان کی گفتگو میں ادب کی لطافت، تاریخ کی گہرائی، اور معاشرے کی نبض کو سمجھنے کی غیر معمولی بصیرت جھلکتی ہے۔ ہر جملہ ایک فکر کو جنم دیتا ہے اور ہر بات دل کے کسی نہ کسی گوشے کو روشن کر دیتی ہے۔ اسی نشست میں جب انہوں نے اپنی زیرِ تصنیف کتاب کا ذکر کیا، تو یہ لمحہ ایک نئی خوشی اور امید کا پیامبر بن گیا۔ ان کے لہجے میں جو یقین، جو محبت، اور جو وابستگی تھی، اس سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کتاب محض تحریروں کا مجموعہ نہیں ہوگی، بلکہ بہار کی اُردو تہذیب، اس کی روایتوں اور اس کے علمی سرمائے کا ایک روشن آئینہ ہوگی۔ یہ سن کر دل خوشی سے لبریز ہوگیا، جیسے کسی نے تاریکی میں چراغ روشن کر دیا ہو۔ یہ ملاقات صرف ایک خوشگوار لمحہ نہ تھی، بلکہ اس نے ماضی کی اُن سادہ مگر خلوص بھری محفلوں کی یاد تازہ کر دی، جہاں رشتے لفظوں سے نہیں بلکہ احساسات سے جڑے ہوتے تھے۔ سوشل میڈیا کی دوری کے بعد جب یہ ملاقات حقیقت کا روپ دھار گئی، تو یوں محسوس ہوا جیسے ایک ادھورا خواب مکمل ہوگیا ہو۔ ٹی ایم ضیاء الحق صاحب جیسے لوگ حقیقت میں صرف فرد نہیں ہوتے، بلکہ ایک کارواں ہوتے ہیں محبت کا، اخلاق کا، اور انسانیت کا۔ ان کی شخصیت میں جو وقار ہے، وہ کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، اور ان کے دل میں اُردو کے لیے جو درد اور تڑپ ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس زبان کو صرف بولتے نہیں، بلکہ جیتے ہیں۔ انہوں نے بڑے واضح انداز میں کہا کہ اُردو صرف ماضی کی ایک حسین یادگار نہیں، بلکہ آنے والے وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر ہمیں اپنی تہذیب، اپنی شناخت اور اپنی فکری میراث کو زندہ رکھنا ہے، تو ہمیں عملی میدان میں آکر اس کی حفاظت کرنی ہوگی۔ ان کے الفاظ دل میں یوں اترتے چلے گئے جیسے روشنی کی کرن اندھیروں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہو۔ واقعی، ان کی موجودگی نے اس ملاقات کو ایک ناقابلِ فراموش لمحہ بنا دیا۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی آمد ہمارے لیے ایک نعمت تھی۔ ان کی شخصیت، ان کی گفتگو، اور ان کا خلوص سب نے ہمارے گھر کو ایک ادبی اور روحانی فضا میں ڈھال دیا۔ دل آج بھی دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت، سلامتی اور درازیٔ عمر عطا فرمائے، اور ان کے قلم کو مزید اثر اور طاقت بخشے تاکہ وہ اسی طرح اُردو ادب کی خدمت کرتے رہیں۔ آخر میں، میں سیِّد آصف امام کاکوی دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کرتا ہوں کہ ان کی آنے والی کتاب نہ صرف کامیاب ہو بلکہ اُردو ادب میں ایک نئی تاریخ رقم کرے۔ یہ کتاب ان کے نام کو مزید روشن کرے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہو۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ ایسی ملاقاتیں محض لمحے نہیں ہوتیں، یہ زندگی کا اصل سرمایہ ہوتی ہیں۔ یہ لمحہ یہ ملاقات یہ احساس ہمیشہ دل میں زندہ رہے گا۔ بلاشبہ ٹی ایم ضیاء الحق اردو ادب، صوفیانہ فکر، صحافت اور تہذیبی شعور کا ایک روشن اور معتبر نام ہیں۔ ان کی تحریریں صرف پڑھی نہیں جاتیں بلکہ محسوس کی جاتی ہیں۔ وہ ادب کو محض اظہار نہیں بلکہ اصلاح، شعور اور تہذیبی بقا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا قلم آج بھی دلوں میں روشنی پیدا کرتا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے امید، تہذیب اور روحانی شعور کا پیغام بن کر سامنے آتا ہے

"اخبار اور اخباری عملہ"

از: محمد ارشد القادری مصباحی، فاضل شعبہ صحافت مانو حیدرآباد

اخبارات ہماری روزمرہ زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکے ہیں۔ الیکٹرانک ذرائع ابلاغ کی وسعت کے باوجود اخبار کی مقبولیت برقرار ہے۔ لیکن اخبار پڑھنے والے بہت کم لوگ اخبار کی نوعیت سے واقف ہوتے ہیں، کس طرح محدود وقت اور صفحات میں اخباری عملہ اپنے قارئین کو تازہ ترین خبروں سے آگاہ کرتا ہے۔ اخبار میں ہر روز کام جنگی خطوط پر ہوتا ہے اور ایک وقت مقرر کیا جاتا ہے جسے انگریزی میں Dead line کہتے ہیں اس وقت مقررہ پر تمام خبروں کی تیاری مکمل ہو جانی چاہیے ورنہ اس کا اثر طباعت یعنی پرنٹنگ میں تاخیر کی صورت میں سامنے آئے گا نتیجتا اگلی صبح وقت پر قارئین کرام کو اخبار نہیں پہنچ پائے گا لہذا ایک صحافی کے لیے بے حد ضروری ہے کہ وہ کام سرعت کے ساتھ کرے مگر اس عجلت میں وہ کسی غلطی کی گنجائش بھی نہ چھوڑے۔ سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اخبارات سے وابستہ ملازمین میں صحافی بھی ہوتے ہیں اور غیر صحافی بھی۔ صحافی خبروں کی ادارت، رپورٹنگ اور اس سے مربوط دیگر امور انجام دیتے ہیں؛ جبکہ اشتہارات، اشاعت اور نظم و نسق جیسے شعبوں میں غیر صحافی ملازمین خدمات انجام دیتے ہیں۔ صحافی اور غیر صحافی تمام ملازمین ایک ٹیم کی طرح کام کرتے ہیں جب کہیں جاکر ایک مکمل اخبار ہر صبح قارئین کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے۔

اخبار کے مختلف شعبے ہیں جسے کام کی نوعیت کی بنیاد پر اخبار کے دفتر میں انجام دیئے جانے والے امور کو حسب ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؛ شعبہ ادارت، شعبہ اشتہارات، شعبہ کمپیوٹر، شعبہ اشاعت، شعبہ نظم و نسق، شعبہ طباعت وغیرہ۔ اخبار کا ایڈیٹر ان تمام شعبوں کا سربراہ ہوتا ہے اور اخبار کا اہم ترین شعبہ، شعبہ ادارت ہے اگر اس کی ذمہ داری راست ایڈیٹر کے تحت نہ ہو تو ایسی صورت میں جوائنٹ ایڈیٹر، ایسوسی ایٹ ایڈیٹر وغیرہ کو اس کی ذمہ داری تفویض کر دی جاتی ہے۔ اس شعبے سے وابستہ عملا سے ایک ایڈیٹر ہوتا ہے، جس کا کام اخبار میں تمام شائع ہونے والے مضامین کی جانچ پڑتال کرنا رہتا ہے اور اسی کی زیر نگرانی اخبار ترتیب پاتے ہیں۔ لیکن روزانہ مکمل اخبار کی ترتیب تنہا ایڈیٹر کے بس کی بات نہیں اس لیے کچھ اس کے ماتحتین بھی موجود ہوتے ہیں جیسے: ایسوسی ایٹ ایڈیٹر، مینیجنگ ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر، نامہ نگار و رپوٹر، سب ایڈیٹرس، فوٹو گرافرس، کارٹونسٹ، فیچر نگار وغیرہ۔ ایڈیٹر اپنے ماتحتین کی خوبیوں سے خوب واقف ہوتا ہے اور ان کی صلاحیت کے مطابق کام لیتا ہے۔ اسی عمال میں ایک نیوز ایڈیٹر ہوتا ہے اخبار کا بیشتر کام اسی کے زیرِ نگرانی انجام پاتا ہے وہ دفتر میں موجود تمام خبروں کا مطالعہ کر کے اپنے قارئین کے لیے اہم اور دلچسپ خبروں کا انتخاب کرتا ہے پھر سب ایڈیٹرس میں کام تقسیم کر دیتا ہے۔

بیوروچیف: یہ رپورٹروں کی ایک پوری ٹیم کا سربراہ ہوتا ہے وہ اہم مقامی خبروں کے حصول کو یقینی بناتا ہے۔

سب ایڈیٹر: اس کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اضلاع کے نامہ نگار جو خبریں ارسال کریں اس کی نوک، پلک سنوارے، سرخی لگائے، ضرورت کے مطابق اضافہ یا تخفیف کرے۔ رپورٹر: یہ کسی اخبار کا باقاعدہ ملازم ہوتا ہے جو مقامی خبروں کے لیے معمور کیا جاتا ہے۔ بحیثیت رپورٹر ایک فرد کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ نوٹس لکھنے کے لیے تیار رہے اور اپنے ساتھ ٹیپ ریکارڈر، ڈائری، کیمرہ ضرور رکھے۔ اچھے رپورٹر کو صحیح باتوں کا علم ہونا چاہیے کسی معاملہ پر اس کو جتنا زیادہ عبور ہوگا وہ اتنا ہی بہتر ہوگا کیونکہ اخبار و صحافت میں جاہل اور احمق کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ لہذا ایک رپورٹر میں خبر سونگھنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ رپورٹر کا ایک وسیع دائرہ ہے اور الگ الگ اہمیت کے حامل اشخاص ہوتے ہیں، جیسے: کرائم رپورٹرس، لیگل رپورٹس، پولیٹکل رپورٹس وغیرہ۔ اخبار میں خبریں طرح طرح کی شائع ہوتی ہیں، بین الاقوامی خبریں، قومی خبریں، سیاسی خبریں، حادثات اور تباہی کی خبریں، مزدوروں سے جڑی خبریں، جرائم، تشدد اور کھیل وغیرہ کی خبریں۔ اس لیے صبح جب قارئین کے ہاتھ میں اخبار آتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نظر سرخی پر پڑتی ہے سرخیاں دیکھ کر ہی وہ خبر پڑھنے نہ پڑھنے کا فیصلہ کرلیتا ہے اگر سرخی جاذب نظر ہو تو قاری مکمل خبر پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا کیوں کہ سرخی تمام خبر کا لب لباب ہوتی ہے۔

یاد رکھیں ایک اخبار کی طباعت کے پیچھے دن، رات ایک مضبوط ٹیم کی محنت و مشقت شامل ہوتی ہے جو اپنے عملہ کے ساتھ سرگرداں رہتا ہے اور سب سے زیادہ اہم رول ایڈیٹر کا ہوتا ہے کیونکہ خبر کے جمع ہونے سے لے کر طباعت تک سب اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے مسلک و مذہب اور سیاسی و سماجی معاملات کے ہست میں بولنے اور لکھنے والوں کو کبھی فراموش نہ کریں۔

تقویٰ: کامیاب زندگی کی سات روشن ضمانتیں

از قلم: ڈاکٹر محمد عبدالسمیع ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد
موبائل نمبر: ۹۳۲۵۲۱۷۳۰۶

انسانی زندگی کی اصل کامیابی کیا ہے؟ کیا صرف دولت، شہرت، عہدہ اور ظاہری آسائشیں ہی کامیابی کا معیار ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کے بہت سے مالدار اور طاقتور لوگ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان سے محروم نہ ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ کامیاب زندگی وہی ہے جو انسان کو باطنی سکون، اخلاقی پاکیزگی، رب کی رضا اور دائمی خوشی عطا کرے۔ اسلام نے اس کامیابی کے حصول کے لیے جس عظیم صفت کو بنیادی حیثیت دی ہے، وہ "تقویٰ" ہے۔

تقویٰ دراصل اللہ تعالیٰ کی اس دائمی نگرانی کا احساس ہے جو انسان کو گناہوں سے روکتا، نیکیوں کی طرف مائل کرتا اور زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال و دیانت اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ یہی وہ صفت ہے جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب بناتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو تقویٰ انسان کی زندگی میں سات ایسی عظیم نعمتیں پیدا کرتا ہے جو اس کی پوری زندگی کا رخ بدل دیتی ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ دنیا میں ہر انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس سے محبت کریں، اس کی عزت کریں اور اسے اہمیت دیں، مگر ایک مومن کے لیے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔ جب بندہ اللہ کے احکام پر چلتا، گناہوں سے بچتا اور ہر حال میں اپنے رب کی رضا کو مقدم رکھتا ہے تو وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اللہ کی محبت ایسی نعمت ہے جس کے بعد انسان کو کسی اور سہارے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تقویٰ کا دوسرا عظیم فائدہ زندگی کے معاملات میں آسانی اور بہتری ہے۔ آج ہر انسان کسی نہ کسی پریشانی، آزمائش یا ذہنی دباؤ میں مبتلا ہے۔ کوئی معاشی مسائل سے پریشان ہے تو کوئی گھریلو اختلافات سے، کوئی مستقبل کے خوف میں مبتلا ہے تو کوئی ناکامی کے غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں قرآن یہ خوشخبری دیتا ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے آسانی کے راستے پیدا فرما دیتا ہے۔ متقی انسان جب مشکلات میں بھی صبر اور دیانت کا دامن نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہاں سے راستے نکالتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ شدید مشکلات کے باوجود بھی مطمئن اور پُرسکون نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کے دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

تقویٰ کا تیسرا اہم ثمر اعمال کی قبولیت ہے۔ عبادت کی اصل روح صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ دل کی کیفیت ہے۔ اگر انسان نماز پڑھے، روزہ رکھے، صدقہ کرے یا حج ادا کرے مگر اس کے دل میں اخلاص اور خوفِ خدا نہ ہو تو ان اعمال کی روح باقی نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے واضح فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ صرف متقین کے اعمال قبول فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادات کی حقیقی قدر و قیمت تقویٰ سے وابستہ ہے۔ ایک چھوٹا سا عمل بھی اگر اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ کیا جائے تو اللہ کے یہاں بہت عظیم بن جاتا ہے۔

تقویٰ انسان کے گناہوں کی مغفرت کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ انسان خطاؤں اور کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی بھی انسان مکمل طور پر غلطیوں سے پاک نہیں ہو سکتا، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے توبہ اور اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا، اپنی غلطیوں پر نادم ہوتا اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ تقویٰ انسان کے دل میں وہ بیداری پیدا کرتا ہے جو اسے ہر گناہ کے بعد توبہ پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی احساسِ جواب دہی انسان کو روحانی پاکیزگی عطا کرتا ہے۔

تقویٰ کا پانچواں عظیم فائدہ رزق میں برکت اور کشادگی ہے۔ آج بہت سے لوگ رزق کی فراوانی کے باوجود بے سکونی کا شکار ہیں، جبکہ بعض لوگ محدود وسائل کے باوجود مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف مال کی زیادتی یا کمی نہیں بلکہ رزق میں برکت ہے، اور یہ برکت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید وعدہ کرتا ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

جاری۔۔۔۔۔۔

بقیہ ائندہ شمارے میں ان شا اللہ۔۔۔